منبر کی صدا

(جلد:5)

حافظ محمد ابراہیم عمری

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

جامعہ دارالسلام عمرآباد:635808

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب	:	منبر کی صدا (5)
مؤلف	:	حافظ محمد ابراہیم عمری
سنہ اشاعت	:	مارچ 2023ء
صفحات	:	176
قیمت	:	120/روپے
ناشر	:	ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

جامعہ دارالسلام

عمرآباد-635808

ٹمل ناڈو

فون:04174-255693

E-mail : jamiadarussalam@gmail.com

فہرستِ مضامین

پیش لفظ

خطبات جمعہ پر مشتمل متعدد کتابیں بازار میں دست یاب ہیں اور انٹرنیٹ پر بھی موجود ہیں۔اس موضوع پر ایک عمدہ کتاب حافظ محمد ابراہیم عمری استاذ جامعہ دارالسلام عمرآباد کی ''منبر کی صدا'' کے نام سے ہے۔اس کے چار حصے شائع ہو چکے ہیں۔اب پانچواں حصہ پریس جا رہا ہے۔

احادیث میں نمازِ جمعہ کی بہت اہمیت بیان کی گئی ہے۔ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: من ترک ثلاث جمع تھاونا طبع اللہ علی قلبہ۔(ابوداود:۱۰۵۲) ''جو شخص تین ہفتے جمعہ کی نماز محض سستی کی وجہ سے چھوڑ دے،اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے''۔شاید اسی بنا پر مسلمانوں میں جمعہ کی نماز کا خصوصی اہتمام پایا جاتا ہے، بلکہ جن لوگوں کو پنج وقتہ نمازوں کی توفیق نہیں ہوتی ، وہ مستقل نمازوں کے مقابلے میں زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔اس صورت حال میں احساس ہوتا ہے کہ اگر خطبۂ جمعہ کو عوام کی دینی تربیت واصلاح کا ذریعہ بنایا جائے تو اس کے اچھے اثرات سامنے آسکتے ہیں۔ائمہ وخطبا حضرات خطباتِ جمعہ کے سلسلے میں پورے سال کی منصوبہ بندی کریں،موضوعات کی فہرست تیار کرلیں اور ترتیب کے ساتھ خطبہ دیں تو عقائد وایمانیات ،عبادات ،معاشرت ،معاملات ،حلال وحرام ،اخلاقیات غرض دین کی بنیادی تعلیمات کا احاطہ کیا جاسکتا ہے۔

مولانا محمد ابراہیم عمری کافی عرصے سے خطابت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔میں نے عمرآباد کے اپنے بعض اسفار میں ان کے خطبے سنے ہیں اور ان سے متاثر ہوا ہوں۔وہ بہت تیاری کرکے خطبہ دیتے ہیں۔ان کا خطبہ کسی ایک متعین موضوع پر ہوتا ہے۔اس کی تشریح کے ساتھ وہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہیں۔وہ محض وقت گزاری کے لیے بے بنیاد اور من گھڑت قصے نہیں سناتے ، بلکہ ان کی گفتگو حکمت کی باتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

مولانا محمد ابراہیم عمری نے کافی عرصہ قبل سے اپنے خطبات جمعہ کو ضبطِ تحریر میں لانے کا سلسلہ شروع کیا ہے ۔ان کے بہت سے خطبات جامعہ کے ترجمان ماہ نامہ راہ اعتدال میں بھی طبع ہوتے ہیں۔بعد میں کتابی صورت میں ان کی اشاعت ہوی ہے۔اب تک ان کے چار مجموعے طبع ہو چکے ہیں۔اب پانچواں منظر عام پر آنے والا ہے ۔اس مجموعے میں عبادات ،اخلاقیات اور دیگر سماجی موضوعات پر خطبات شامل ہیں۔

میں اس خدمت پر انھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے حق میں دعا کرتا ہوں۔امید ہے کہ ائمہ وخطباء ان سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ان کے موضوعات ایسے ہیں کہ عام افراد بھی ان کے مطالعہ سے اپنی دینی موضوعات میں اضافہ کرسکتے ہیں۔

محمد رضی الاسلام ندوی ۲۷/فروری ۲۰۲۳

عرضِ مؤلف

بفضلہٖ تعالیٰ ''منبر کی صدا'' کا پانچواں حصہ قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے دلی مسرت محسوس کرر ہاہوں، کہ رب العالمین نے مجھ کم مایہ کواس کی توفیق بخشی، ورنہ یہ میرے بس کی بات نہیں تھی۔

اس مجموعے میں کل بیس خطبات شامل ہیں، جن کا تعلق عملی زندگی سے ہے۔ حسبِ توفیق ان خطبات میں بھی صحیح احادیث اور مستندواقعات کے التزام کی کوشش کی گئی ہے اور ضعیف وموضوع روایات سے اجتناب کیا گیا ہے۔ خطباتِ جمعہ اصلاحِ معاشرے کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ بیس پچیس منٹ کا وقت اگر چہ مختصر ہوتا ہے، مگر یہ امت کی اعتقادی، عملی اور معاشرتی اصلاح کے لیے بڑا قیمتی ہوتا ہے، بشرطے کہ خطیب معاشرے کی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کتاب وسنت کی روشنی میں اس کی اصلاح کی منصوبہ بند کوشش کرے۔

مجھے اپنی کم مائیگی اور زبان وقلم کے معاملے میں ناپختگی کا پورا احساس ہے۔ قارئین اگر کہیں کوئی خلافِ شرع بات دیکھیں تو نشان دہی فرمائیں، تاکہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

اس موقع پر میں ذمہ دارانِ جامعہ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جن کی راہ نمائی اور ہمت افزائی نے مجھے مسجدِ عمر آباد کے منبر سے وابستہ کیا اور تحریری میدان میں کچھ طبع آزمائی کا موقع دیا۔

مدیر سہ ماہی ''تحقیقات اسلامی'' کے مولانا رضی الاسلام ندوری کا احسان مند ہوں جنھوں نے اس مجموعے پر ایک سرسری نظر ڈالی اور اس کتاب کے لیے مختصر اور مفید مقدمہ لکھ کر میری ہمت افزائی فرمائی۔ اور مدیر ماہ نامہ راہ اعتدال رفیق محترم مولوی محمد رفیع کلوری عمری زیدمجدہ کا بھی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے مضامین پر نظر ثانی اور پروف ریڈنگ میں میرا بھر پور تعاون کیا۔ ساتھ ہی تمام مشفق اساتذہ اور معاونین کا بھی ممنون ہوں جن کی دعائیں، نیک تمنائیں اور مخلصانہ تعاون میری ترقی کا ضامن ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان تمام محسنین کو دونوں جہاں میں سُرخ رو فرمائے اور مجھے دین وملت کی سچی خدمت کے لیے مزید ہمت، طاقت اور توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

حافظ محمد ابراہیم عمری

تسبیح کی اہمیت وفضیلت

ذکرِ الٰہی بڑی اہم عبادت ہے، اور یہ آسان بھی ہے۔ یہ ایسی عبادت ہے جو ہر جگہ اور ہر وقت کی جاسکتی ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ ہر وقت اللہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ (مسلم)

قرآن مجید میں مومن بندوں کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹے، ہر حالت میں اللہ کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ (آل عمران:۱۹۱)

ذکر واذکار کے کلمات بے شمار ہیں۔ ان میں سب سے افضل تسبیح کے کلمات ہیں:

تسبیح کامفہوم : تسبیح کا مطلب ہے اللہ کو بے عیب اور محتاجی سے پاک سمجھنا۔

مکہ کے مشرکوں نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا تھا۔ یہودیوں نے حضرت عزیرؑ کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیا تھا۔ کچھ لوگوں نے اللہ کے علاوہ اپنی طرف سے بہت سے جھوٹے معبود گھڑ لیے تھے، جیسا کہ قرآن کا بیان ہے:

اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ:۳۱) ''ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنالیا ہے''۔

اور کچھ لوگوں نے بزرگوں اور ولیوں کو اللہ کے دربار میں سفارشی ٹھہرایا تھا:

هٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللّٰهِ (یونس:۱۸) ''یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں''۔

قرآن میں جگہ جگہ اس کی تردید کی گئی، اور بتایا گیا کہ اللہ کی ذات بے عیب ہے۔ فرمایا گیا:

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ (الصافات:۱۵۹) ''جو کچھ یہ اللہ کے بارے میں بیان کررہے ہیں، ان سے اللہ تعالیٰ بالکل پاک ہے''۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوّاً كَبِيْراً (بنی اسرائیل:۴۳) ''جو کچھ یہ کہتے ہیں، اللہ کی ذات اس سے پاک اور بہت بلند وبرتر ہے''۔

سورۂ اخلاص میں پوری وضاحت کے ساتھ ایسے باطل عقائد کی تردید کی گئی ہے۔ ایک مومن

کا یہ واضح عقیدہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ تمام نقائص سے پوری طرح پاک ہے۔ سبحان اللہ کہہ کر بندہ اس بات کا اقرار اور اظہار کرتا ہے کہ میرا رب بے عیب اور ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک ہے۔

تسبیح اور کائنات کی مخلوقات : دنیا کی ساری مخلوق اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِن مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَـٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (بنی اسرائیل:۴۴) ''ساتوں آسمان، زمین اور ان میں موجود ساری چیزیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں۔ کوئی چیز نہیں جو اس کی تعریف کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی پاکی بیان نہیں کرتی ہو۔ لیکن تم لوگ اس کی تسبیح سمجھ نہیں سکتے''۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّـٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ (النور:۴۱) ''کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آسمان وزمین کی تمام چیزیں اور پر پھیلائے اُڑتے ہوئے پرندے، سب اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ ہر ایک کو اپنی بندگی کا طریقہ اور اپنی تسبیح معلوم ہے''۔

بجلی کا گرجنا اور چمکنا حقیقت میں اللہ کی تسبیح بیان کرنا ہے۔ ارشاد ہے:

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ (الرعد:۱۳) ''بجلی کی کڑک اللہ کی تعریف کرتے ہوئے اس کی تسبیح پڑھتی ہے، اور فرشتے بھی اللہ سے ڈرتے ہوئے یہی کرتے ہیں''۔

پہاڑ اور پرندے بھی اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کرتے ہیں۔ حضرت داؤدؑ کی فضیلت میں کہا گیا:

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ (سبا:۱۰) ''اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضیلت عطا فرمائی تھی، (کہ کہا تھا:) اے پہاڑو! ان کے ساتھ تسبیح پڑھا کرو''۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ. وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً۔(ص:۱۸) ''ہم نے پہاڑوں کو (ان کے) تابع کر رکھا تھا، جو ان کے ساتھ صبح وشام تسبیح پڑھا کرتے تھے''۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ وَنَحْنُ نَأْكُلُهُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ۔(بخاری)''جب ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھانا کھارہے ہوتے تو ہم کھانے سے تسبیح کی آواز سنتے تھے''۔

اللہ کے فرشتے بھی ہمیشہ اس کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں۔قرآن کا ارشاد ہے:

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ (المومن:۷)''عرش کے اٹھانے والے اوراس کے پاس کے(فرشتے)اپنے رب کی تسبیح حمد کے ساتھ ساتھ کرتے ہیں''۔

وہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہوئے کبھی نہیں تھکتے:

يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُون (حم السجدہ:۳۸)''وہ(فرشتے)رات دن اس کی تسبیح بیان کرتے رہتے ہیں اور کسی وقت بھی نہیں اکتاتے''۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابی نے مجھے یہ حدیث سنائی کہ ایک مرتبہ رات کے وقت وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوے تھے۔آسمان میں ایک ستارہ گرتا ہوا نظر آیا۔آپ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ زمانۂ جاہلیت میں اس طرح کا واقعہ پیش آتا تو تم کیا تصور کرتے تھے؟ صحابہؓ نے کہا کہ ہم سمجھتے تھے کہ آج کی رات کسی بڑے آدمی کا انتقال ہوگیا ہے، یا کوئی بڑا آدمی آج کی رات پیدا ہونے والا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا: بات دراصل یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ کرتا ہے تو عرش کو تھامے ہوے فرشتے اللہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔ان کی آواز پہلے آسمان میں موجود فرشتے سنتے ہیں، وہ بھی تسبیح بیان کرتے ہیں۔یہ سلسلہ آسمانِ دنیا تک پہنچتا ہے۔(جب یہ فیصلہ آسمانِ دنیا تک پہنچتا ہے)تو جن چوری چھپے ان میں سے کوئی بات اُچک لیتے ہیں، اور(انسانوں میں سے)اپنے دوستوں کو پہنچاتے ہیں۔وہ جو خبر لاتے ہیں وہ تو سچی ہوتی ہے، مگر یہ(کاہن اور نجومی) اپنی طرف سے کچھ اضافہ کرتے ہیں۔(مسلم)

اللہ کے نیک بندوں کو کثرت سے تسبیح کا حکم دیا گیا ہے۔سورۂ روم میں فرمایا گیا:

فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ (الروم:۱۷)''پس اللہ تعالیٰ کی تسبیح کیا کرو جب تم شام کرو اور جب صبح کرو''۔

اللہ کے رسول ﷺ کو حکم دیا گیا:

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى (طٰہٰ:۱۳۰) ''لہٰذا آپ ان کی باتوں پر صبر کیجیے اور سورج کے نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے حمد وثنا کے ساتھ اپنے رب کی پاکی بیان کیجیے۔ نیز رات کے کچھ اوقات اور دن کے مختلف حصوں میں بھی تسبیح پڑھا کیجیے، تاکہ آپ کو خوشی حاصل ہو''۔

تسبیح کے فضائل: تسبیح کے کلمات اللہ کو بہت پسند ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ إِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ (بخاری ومسلم) ''دو کلمات ایسے ہیں جو رحمٰن کو بہت پسند ہیں، (ادا کرنے میں) زبان پر ہلکے ہیں، (نیکی کے) ترازو میں بھاری ہیں۔ وہ ہیں: ''سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ''۔

آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے:

مَنْ قَالَ حِيْنَ يُصْبِحُ وَحِيْنَ يُمْسِي سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ مِائَةَ مَرَّةٍ لَمْ يَأْتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَفْضَلَ مِمَّا جَاءَ بِهٖ إِلَّا أَحَدٌ قَالَ مِثْلَ مَا قَالَ أَوْ زَادَ عَلَيْهِ (مسلم) ''جو شخص صبح وشام سو سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہے گا، تو قیامت کے دن اس سے زیادہ نیکیاں لے کر کوئی نہیں آئے گا، سوائے اس شخص کے جو اتنے ہی مرتبہ یا اس سے زیادہ یہ کلمات پڑھا ہو''۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ فجر کی نماز کے بعد گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ام المومنین جویریہؓ ذکر واذکار میں مشغول ہیں۔ آپ ﷺ کچھ دیر کے بعد باہر تشریف لے گئے۔ اپنی ضروریات مکمل کر کے بہت دیر بعد گھر لوٹے تو اس وقت جویریہؓ ذکر میں مصروف تھیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم اب تک ذکر ہی میں مشغول ہو؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ قُلْتُ بَعْدَكِ أَرْبَعَ كَلِمَاتٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ لَوْ وُزِنَتْ بِمَا قُلْتِ مُنْذُ الْيَوْمِ لَوَزَنَتْهُنَّ۔ (مسلم) ''میں نے تمھارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمات تین مرتبہ کہے ہیں۔ اگر ان کا وزن اُن کلمات سے کیا جائے جو تم نے دن بھر میں کہے ہیں تو (میرے) یہ کلمات بھاری ہوں گے''۔ وہ کلمات یہ ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ۔ (ترمذی) ''اللہ کی پاکی اور اس کی حمد ہے، اس کی مخلوقات کی تعداد،

اس کی نفس کی رضامندی، اس کے عرش کے وزن اور اس کے کلمات کی سیاہی کے برابر''۔

ایک اور روایت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَاَنْ اَقُوْلَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ ۔(مسلم) '' سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ '' کہنا میرے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، جن پر سورج طلوع ہوتا ہے''۔

ہر انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا ایک خوب صورت گھر ہو، بلکہ اس گھر کے اطراف ایک خوب صورت باغیچہ بھی ہو۔ تسبیح کے یہ کلمات جنت میں درخت بونے کا ذریعہ بنیں گے۔ ارشاد ہے:

مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ غُرِسَتْ لَهٗ نَخْلَةٌ فِي الْجَنَّةِ ۔(ترمذی) ''جو شخص '' سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ '' کہے، اس کے لیے جنت میں کھجور کا ایک درخت بویا جاتا ہے''۔

معراج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی ملاقات ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیمؑ سے ہوی۔ انھوں نے آپ ﷺ سے کہا:

اَقْرِئْ اُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ الْجَنَّةَ قِيْعَانٌ وَاَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ۔(ترمذی) '' آپ ﷺ کی امت کو میرا سلام پہنچاؤ، اور بتاؤ کہ جنت خالی میدان ہے۔ اس میں بوئے جانے والے پودے '' سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ہیں''۔

تسبیح کے ان کلمات کی برکت سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ عَنْهُ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِالْبَحْرِ ۔(متفق علیہ) ''جو شخص دن میں سو (100) مرتبہ '' سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ '' پڑھے گا تو اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں، اگرچہ کہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں''۔

تسبیح کی برکت سے دنیوی مصائب ومشکلات دور ہوتے ہیں۔ حضرت یونسؑ جب اپنی قوم سے ناراض ہوکر بستی سے نکلے اور ایک کشتی میں سوار ہوگئے تو کشتی ہچکولے کھا کر ڈوبنے کے قریب ہوگئی۔ آخر کار قرعہ اندازی کے بعد آپؑ کو سمندر میں پھینک دیا گیا۔ مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ حضرت یونسؑ کو اپنی لغزش کا احساس ہوا۔ وہ مچھلی کے پیٹ میں کثرت سے اللہ کی تسبیح بیان کرنے لگے، جس کی

برکت سے اللہ نے انھیں اس مصیبت سے نجات دلائی۔جیسا کہ سورۂ صافات میں ارشاد ہے:

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ. لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (الصافات:۱۴۳، ۱۴۴)''پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتے''۔

حضرت فاطمہؓ گھر کے کام کاج تنہا کر کے تھک جاتی تھیں۔ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کیں کہ ایک خادم کا انتظام کیا جائے تا کہ گھر کا کام کاج آسان ہو۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمھیں خادم سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم سونے کے لیے بستر پر جاؤ تو ۳۳ ؍مرتبہ اللہ اکبر، ۳۳ ؍سبحان اللہ اور ۳۳ ؍مرتبہ الحمدللہ پڑھ لو۔یہ تمھارے لیے خادم سے بہتر ہے''۔(بخاری)

اللہ کی تسبیح بیان نہ کرنے سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔سورۂ قلم میں ایک باغ والوں کا تذکرہ ہے، جن کے باپ بڑے نیک تھے۔وہ باغ کی پیداوار میں سے غربا و مساکین پر بھی خرچ کرتے تھے، لیکن ان کی وفات کے بعد جب بچوں نے آپس میں طے کیا کہ اس کی آمدنی میں سے کسی کو نہیں دیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اس باغ ہی کو تباہ کر دیا۔ایک رات جب وہ فصل کی کٹائی کے لیے اپنے باغ پہنچے تو وہ جل چکا تھا۔ان میں سے ایک نے اس کا سبب یہ بتایا کہ تم نے اللہ کی پاکی اور تسبیح نہیں بیان کی:

قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ. قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۔(القلم:۲۸،۲۹)''ان میں جو بہتر شخص تھا، اس نے کہا: کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا کہ تم اللہ کی پاکیزگی کیوں نہیں بیان کرتے؟ تو سب کہنے لگے: ہمارا رب پاک ہے۔ہم ہی قصوروار ہیں''۔

تسبیح کی یہ اہمیت و فضیلت ہمیں دعوت دیتی ہے کہ ہم اس کا اہتمام کریں، اور اس کے ذریعے اپنے وقت کا صحیح استعمال کرنے اور آخرت کا توشہ تیار کر لینے کی کوشش کریں۔اگر آدمی ذکر و اذکار، تسبیحات اور اوراد کا پابند ہو جائے تو وہ بہت سے گناہوں سے بچ سکتا ہے، اور اپنی نیکیوں میں اضافہ کر سکتا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق نصیب فرمائے۔✦✦✦

شکرگزاری

اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو بے شمار مادی، معنوی، دنیوی اوراخروی نعمتیں عطا کی ہیں۔آنکھ، کان، ہاتھ، پیر، دل، دماغ، صحت وتندرستی، آل اولاد، مال ودولت، عزیزواقارب، دوست احباب، پڑوسی، وغیرہ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔اسی طرح شجر وحجر، سورج، چاند، ستارے اور سیارے، اونچے اونچے پہاڑ، ندی نالے، ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، جگ مگاتا ہوا آسمان، وسیع وعریض زمین اور دن رات جیسی بہت ساری نعمتیں ہیں۔ان میں کچھ ظاہری ہیں تو کچھ باطنی ہیں۔

بہت سی نعمتیں ایسی ہیں، جن کا ہمیں ادراک اوراحساس تک نہیں ہے۔اور یہ نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شماراوراحاطہ بھی ممکن نہیں : وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَاتُحْصُوْھَا.(النحل:۱۸)

کائنات اوراس میں پائی جانے والی ساری نعمتیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں ہی کے لیے بنائی ہیں۔یہ ساری نعمتیں عطا کرکے اللہ تعالیٰ انسان سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کا شکر بجالائے۔قرآن مجید میں جگہ جگہ نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے شکر بجالانے پرابھارا کیا گیا۔فرمایا گیا:

> وَاللّٰہُ أَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ أُمَّھَاتِکُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَوَالْأَفْئِدَۃَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۔(النحل:۷۸)''اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا ہے کہ اس وقت تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔اسی نے تمھارے کان، آنکھیں اوردل بنائے، تاکہ تم شکرگزاری کرو'۔

جسم کا ہرعضواللہ کی عظیم نعمت ہے۔اگرانسان اس کی قدر وقیمت سے واقف ہوجائے تو اس کی زبان پرکبھی ناشکری کے کلمات نہیں ہوں گے۔ایک شخص حضرت یونس بن عبیدؒ کے پاس آیااوراپنی تنگ دستی کی شکایت کرتے ہوئے غم اور غصے کا اظہارکرنے لگا۔انھوں نے آنکھ، کان، زبان، دل، عقل، ہاتھ اورپیر کا ذکر کرکے ہرایک کے بارے میں پوچھا کہ کیاتم پسند کرتے ہوکہ اس کے بدلے تمھیں ایک لاکھ درہم دیے جائیں؟ وہ ہرایک کے جواب میں کہتا: ہرگزنہیں۔پھراللہ کی ان نعمتوں کی اہمیت کوواضح کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ نے تمھیں ایسی عظیم نعمتیں عطا کی ہیں جوکروڑھا درہم ودینار سے بہتر ہیں، اورتم اس کے خلاف شکوے شکایتیں کررہے ہو'۔(حلیۃ الاولیاء لابی نعیم:۳/۲۲)

ایک شخص نے ایک نابینا کو دیکھا جو ہاتھوں اور پیروں سے بھی محروم تھا۔اس کے باوجود اس کی زبان پر شکر کے یہ کلمات تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتُلِیْ بِهٖ غَیْرِیْ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا ۔''اللہ کا شکر ہے، جس نے مجھے ان بیماریوں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھا، جن میں دوسرے لوگ مبتلا ہیں اور مجھے اپنی بہت ساری مخلوقات پر فضیلت عطا کی''۔

اس شخص کو بڑا تعجب ہوا۔آخر اس سے پوچھ ہی لیا کہ اس قدر معذور ہونے کے باوجود کس بات پر تم شکر ادا کر رہے ہو؟ اس نے کہا: یَا هٰذَا !أَشْکُرُ اللّٰهَ أَنْ وَهَبَنِیْ لِسَانًا ذَاکِرًا وَّقَلْبًا خَاشِعًا وَبَدَنًا عَلَی الْبَلَاءِ صَابِرًا۔( ) ''اے فلان! میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ذکر کرنے والی زبان، ڈرنے والا دل اور مصائب ومشکلات پر صبر کرنے والا جسم عطا کیا ہے''۔

شکر گزاری کے معاملے میں دنیا میں تین طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں:

(ا)۔ایک قسم اُن لوگوں کی ہے جو اللہ کی نعمتوں کو پاکر اس کی ناقدری اور ناشکری کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت زیادہ ہیں۔جیسا کہ فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْفَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ أَکْثَرَهُمْ لَایَشْکُرُوْنَ (یونس:۶۰) ''واقعی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں بجالاتے''۔

شیطان عہد کر چکا ہے کہ وہ اللہ کے اکثر بندوں کو ناشکرا بنا کر رہے گا۔(الاعراف:۱۷)

۲۔دوسرے وہ جو بہت کم شکر بجالاتے ہیں۔سورۂ ملک میں ارشاد ہوا:

وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَوَالْأَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ۔(الملک:۲۳) ''اور تمھارے کان، آنکھ اور دل بنائے۔تم بہت ہی کم شکر بجالاتے ہو''۔

۳۔تیسرے وہ لوگ ہیں جو اللہ کی ہر نعمت پر اس کا شکر بجالاتے ہیں۔اور ایسے بندے بہت کم ہیں۔جیسا کہ فرمایا گیا:

وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ ۔(سبأ:۱۳) ''میرے بندوں میں شکر گزار بندے بہت کم ہیں''۔

قرآن مجید میں نیک بندوں کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بڑے شکر گزار ہوتے ہیں۔

حضرت نوحؑ کے بارے میں کہا گیا کہ وہ اللہ کے بڑے شکر گزار بندے تھے:اِنَّـهٗ كَانَ عَبۡدًا شَكُوۡرًا (بنی اسرائیل:۳) حضرت ابراہیمؑ کے بارے میں ارشاد ہوا کہ وہ ''اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے'': شَـاكِـرًا لِّاَنۡـعُـمِـهٖ .(النحل:۱۲۱)۔حضرت سلیمانؑ کی یہ خوبی بیان کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ کی نعمتوں پر شکر بجالایا کرتے تھے۔ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ اپنے لشکر سمیت جا رہے تھے کہ راستے میں ان کا گزر چیونٹیوں کی بلوں پر سے ہوا۔ چیونٹیوں کے سردار نے حضرت سلیمانؑ کے لشکر کو آتا ہوا دیکھ کر کہا:ادۡخُلُوۡا مَسَـاكِنَكُمۡ لَايَحۡطِمَنَّكُمۡ سُلَيۡمَانُ وَجُنُوۡدُهٗ وَهُمۡ لَايَشۡعُرُوۡنَ ۔(النمل:۱۸)''اے چیونٹیو! اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ، ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں سلیمان اور اس کا لشکر تمھیں روند ڈالے''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو تمام چرند و پرند اور جان داروں کی بولیاں سکھایا تھا۔ جب انھوں نے چیونٹی کی یہ بات سنی تو فوراً اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہوئے کہا:

رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ ۔(النمل:۱۹)

''اے میرے رب! تو مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمتوں کا شکر بجالاؤں جو تو نے مجھ پر انعام کی ہیں اور میرے ماں باپ پر''۔

جب ہد ہد نے قومِ سبا کے بارے میں خبر دی کہ وہ سورج کی پوجا کرتی ہے اور ایک عورت ان پر حکومت کر رہی ہے تو حضرت سلیمانؑ نے ملکۂ سبا اور قومِ سبا کے نام خط لکھ کر ایک اللہ کی طرف بلایا۔ جب خط پہنچا تو ملکۂ سبا نے پوری تحقیق کی اور اسے یقین ہو گیا کہ سلیمانؑ اللہ کے سچے رسول ہیں تو ان کی دعوت قبول کرنے کے لیے اپنے لشکر سمیت روانہ ہوی۔ جب سلیمانؑ کو اس کی اطلاع ہوی تو آپؑ نے درباریوں سے کہا:''تم میں سے کوئی ہے جو اس کے مسلمان ہو کر پہنچنے سے پہلے ہی اس کا تخت مجھے لا دے''۔ایک دیو ہیکل جن نے کہا: آپ کی مجلس برخواست ہونے سے قبل میں اس کا تخت لا حاضر کروں گا۔ایک ذی علم درباری نے کہا کہ آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے میں اس کا تخت لے آؤں گا۔ جب تخت حاضر ہوا تو حضرت سلیمانؑ اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے کہتے ہیں:

هٰـذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ لِيَبۡلُوَنِیۡۤ ءَاَشۡكُرُ اَمۡ اَكۡفُرُ. وَمَنۡ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ وَمَـنۡ كَـفَـرَ فَاِنَّ رَبِّیۡ غَنِیٌّ كَرِيۡمٌ ۔(النمل:۴۰)''یہ میرے رب کا فضل ہے، تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر گزاری کرتا ہوں یا کافرِ نعمت بن جاتا ہوں۔اور جو کوئی شکر کرتا ہے اس

کا شکر اس کے اپنے ہی لیے مفید ہے۔ ورنہ کوئی ناشکری کرے تو میرا رب بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ بزرگ ہے''۔

شکر گزاری کی قسمیں: (۱)۔شکرِ قلبی (دلی شکر): دلی شکر یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ اس کو جو بھی نعمتیں حاصل ہیں وہ اللہ کا عطیہ ہیں۔ جو شخص سمجھے کہ یہ چیزیں میں نے اپنی صلاحیت اور محنت سے حاصل کی ہیں، یا اللہ کے سوا کسی اور کو منعم سمجھے تو کفرانِ نعمت ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُوْنَ . (النحل:۸۳) ''یہ اللہ کی نعمتوں کو جانتے ہوئے بھی ان کا انکار کر رہے ہیں، بل کہ ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں''۔

(۲)۔شکرِ لسانی (زبانی شکر): شکرِ لسانی یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں پر زبان سے شکریے کے کلمات ادا کرے۔ پانی کا ایک ایک گھونٹ اور کھانے کا ہر لقمہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس پر اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔ یہ ایسا عمل ہے جو اللہ کو بے حد پسند ہے۔ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ لَيَرْضىٰ عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَّأْكُلَ الْأَكْلَةَ فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدُهُ عَلَيْهَا ۔(مسلم: باب استحباب حمد اللہ تعالیٰ بعد الأکل والشرب) ''اللہ تعالیٰ اس بندے سے خوش ہوتا ہے جو ایک گھونٹ پانی پیتا ہے اور اس پر اللہ کی تعریف کرتا ہے، اور ایک لقمہ کھاتا ہے اور اس پر اللہ کی تعریف اور شکر بجالاتا ہے''۔

(۳)۔شکرِ جوارح (عملی شکر): اعضا و جوارح سے شکرِ الٰہی کا اظہار کرنا، یعنی اللہ کی نعمتوں پر شکر بجالاتے ہوئے بکثرت اللہ کی عبادت کرنا، اوامر کو بجالانا اور منہیات سے باز رہنا۔ ارشادِ الٰہی ہے:

اِعْمَلُوْا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا. (سبا:13) ''اے آلِ داود! تم لوگ شکر کے طور نیک عمل کرتے رہو''۔

اللہ کے رسول ﷺ سے کہا گیا:

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشَّاكِرِيْنَ ۔(الزمر::66) ''بل کہ آپ اللہ کی بندگی کرتے رہیے اور اس کے شکر گزار بندوں میں شامل رہیے''۔

آپ ﷺ کی عبادتوں کا حال یہ تھا کہ طویل قیام کی وجہ سے آپ ﷺ کے پیروں میں ورم آجاتا۔ حضرت عائشہؓ نے رسول اکرم ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ اس قدر کیوں عبادتیں کرتے ہیں، جب کہ اللہ نے آپ ﷺ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کردیے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أَفَلَا

أَكُونُ عَبُدًا شَكُورًا۔(بخاری:۶۴۷۱)''کیا میں شکرگزار بندہ نہ بنوں''۔

(۴)۔نعمتوں سے اللہ کے بندوں کو فائدہ پہنچانا : شکرگزاری کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت عطا کی ہے اس سے بندوں کو فائدہ پہنچایا جائے۔علم،مال،ہنر،صلاحیت اور طاقت وغیرہ سے ضرورت مندوں اور محتاجوں کے کام آنا چاہیے۔حدیثِ قدسی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے کہے گا:یَا ابُنَ آدَمَ !مَرِضُتُ فَلَمُ تَعُدُنِیُ۔اے ابن آدم !میں بیمار تھا،تو نے میری عیادت نہیں کی؟ بندہ کہے گا:اے میرے رب!تو تو رب العالمین ہے،تو کیسے بیمار ہوسکتا ہے؟اور میں تیری عیادت کیسے کرسکتا ہوں؟اللہ تعالیٰ فرمائے گا: أَمَا عَلِمُتَ أَنَّ عَبُدَیُ فُلَانًا فَمَرِضَ فَلَمُ تَعُدُنِیُ،أَمَا عَلِمُتَ أَنَّكَ لَوُ عُدُتَّهُ لَوَجَدُتَنِیُ عِنُدَهُ ۔''کیا تجھے خبر نہیں تھی کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا؟تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا؟''۔(مسلم:باب فضل عيادة المريض:۶۷۲۱)

۵۔نعمتوں کا اظہار کرنا بھی شکر کی ایک قسم ہے : حضرت ابوالأحوصؒ فرماتے ہیں کہ ان کے والد خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے۔پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔آپ ﷺ نے دریافت کیا: کیا تمھارے پاس مال نہیں؟انھوں نے جواب دیا کہ میرے پاس تو مال کی فراوانی ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا:تمھارے پاس کون کون سا مال ہے؟انھوں نے جواب دیا:قَدُ آتَانِیَ اللّٰهُ مِنَ الُإِبِلِ وَالرَّقِیُقِ وَالُغَنَمِ ۔''اللہ نے مجھے اونٹ،بکری،لونڈی اور غلام جیسی بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے''۔آپ ﷺ نے فرمایا:إِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلُيُرَ عَلَيُكَ ۔''جب اللہ نے تمھیں مال دیا ہے تو اس کا اظہار(تمھاری زندگی پر)ہونا چاہیے''۔(صحیح ابن حبان:كتاب اللباس وآدابه)

۶۔خوشی اور خوش حالی میں اللہ کو یاد رکھنا: مومن کا حال یہ ہے کہ وہ مصیبت میں صبر کرتا ہے اور خوش حالی میں شکر بجالاتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''مومن کا معاملہ بڑا عجیب وغریب ہے۔اگر اسے کوئی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو صبر کرتا ہے۔یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔اور اگر نعمت حاصل ہوتی ہے تو اللہ کا شکر بجالاتا ہے،اور یہ بھی اس کے لیے خیر ہی ہے''۔(مسلم:باب المؤمن أمره كله خير)

اللہ کے رسول ﷺ کو جب کوئی بڑی مسرت حاصل ہوتی تو سجدۂ شکر بجالاتے۔حضرت ابوبکرہؓ

فرماتے ہیں:أَنَّـهُ كَـانَ إِذَا جَاءَهُ أَمْرُ سُرُورٍ أَوْ بُشِّرَ بِهِ خَرَّ سَاجِدًا شُكْرًا لِلّٰهِ ۔(ابوداؤد: کتاب الجہاد: باب فی سجود الشکر) ’’آپ ﷺ کو جب کوئی خوشی لاحق ہوتی یا آپ ﷺ کے پاس کوئی خوش خبری آتی تو اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے سجدے میں گر جاتے‘‘۔

خوشی کے لمحات میں اکثر لوگ اپنے رب کو بھول جاتے ہیں اور اس کا شکر بجالانے میں کوتاہی کرتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں:

بُلِيْنَا بِالضَّرَّاءِ فَصَبَرْنَا وَبُلِيْنَا بِالسَّرَّاءِ فَلَمْ نَشْكُرْ۔ (تفسیر آلوسی) ’’ہمیں مصائب ومشکلات سے آزمایا گیا تو ہم نے صبر سے کام لیا اور جب خوش حالی کے ذریعے آزمایا گیا تو ہم شکر بجالانے میں کامیاب نہیں ہوسکے‘‘۔

ناشکری کے نقصانات : نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری ناپسندیدہ عمل ہے۔ یہ اللہ کی ناراضی، اس کی رحمت سے دوری اور اس کی نوازشوں سے محرومی کا باعث ہے۔ جن افراد اور قوموں نے ناشکری کی، وہ غضب الٰہی کی مستحق ہوکر دنیا وآخرت میں مختلف قسم کی سزاؤں سے دوچار ہوئیں۔

(۱)۔ ناشکری نعمت کو زحمت میں بدل دیتی ہے: قوم سبا ایک خوش حال قوم تھی۔ اللہ نے اسے ہرے بھرے اور پھل دار باغات عطا کیا تھا۔ ہر طرح کی خوش حالی اور آسودگی سے نوازا تھا اور سفر کی صعوبتوں سے اس کی حفاظت فرمائی تھی۔ ان نعمتوں کو عطا کرنے کے بعد اللہ نے اس سے مطالبہ کیا:

كُـلُـوْا مِـنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوْا لَهٗ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوْرٌ ۔(سبا:۱۵) ’’تم اپنے رب کی دی ہوی روزی کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو۔ ملک ہے عمدہ اور پاکیزہ، اور پروردگار ہے بخشش فرمانے والا‘‘۔

مگر اس قوم نے ناشکرے پن کی روش اختیار کی، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی ساری نعمتیں چھین لیں اور ان کے ہرے بھرے باغات کو خاردار جھاڑیوں میں بدل دیا۔ فرمایا گیا:

فَـأَعْرَضُوْا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ أُكُلٍ خَـمْـطٍ وَأَثْـلٍ وَّشَـيْءٍ مِّـنْ سِـدْرٍ قَـلِيْلٍ،ذَالِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَهَلْ نُجَازِيْ إِلَّاالْـكَـفُوْرَ۔(سبا:١٦) ’’مگر وہ منہ موڑ گئے۔ آخر کار ہم نے اُن پر بند توڑ سیلاب بھیج دیا، اور ان کے پچھلے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ انھیں دیے، جن میں کڑوے کسیلے پھل اور جھاؤ

کے درخت تھے، اور کچھ تھوڑی سی بیریاں۔ یہ تھا ان کے کفر کا بدلہ جو ہم نے اُن کو دیا، اور ناشکرے انسان کے سِوا ایسا بدلہ ہم اور کسی کو نہیں دیتے''۔

سورۂ یونس میں ایک بستی والوں کا حال بیان ہوا ہے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے خوش حالی اور امن کی نعمت عطا کی تھی مگر انھوں نے ان نعمتوں کی قدر نہیں کی، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خوش حالی کو فقر وفاقہ میں اور امن وامان کو بے خوفی اور بدامنی میں بدل دیا۔ ارشاد ہوا:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۔(النحل:۱۱۲)''اور اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال پیش کرتا ہے جو پُر امن اور پُرسکون تھی، اس کی روزی کشادگی کے ساتھ ہر جگہ سے آتی تھی، پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے کرتوتوں کی وجہ سے انھیں شدید بھوک اور خوف وہراس کا مزہ چکھایا''۔

(۲)۔ ناشکری عذابِ الٰہی کو دعوت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۔(ابراہیم:۷)''اور اگر تم ناشکری کروگے تو یاد رکھو کہ بے شک میرا عذاب سخت ہوتا ہے''۔

قارون موسیٰ کی قوم کا ایک مال دار شخص تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دولت کے بے شمار خزانے عطا کیے تھے۔ قوم کے لوگوں نے اس سے کہا:

وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۔(القصص:۷۷)''جس طرح اللہ نے تم پر احسان کیا ہے تم بھی احسان کرو''۔

بندوں پر احسان کرنے اور شکر گزاری کرنے کی بجائے اس نے ناشکری کرتے ہوئے کہا:

اِنَّمَا أُوْتِيْتُهُ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ۔(القصص:۷۸)''یہ مال وجائداد مجھے اپنے علم وصلاحیت کے ذریعے ملی ہے''۔

اس ناشکری پر اللہ تعالیٰ نے اس کو اس کے مال ودولت کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا:

فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ۔(القصص:81)''پس ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا اور اس کی کوئی ایسی جماعت نہ تھی جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اس کی مدد کرتی اور نہ وہ آپ اپنی مدد کر سکا''۔

(۳)۔نعمتوں کی ناقدری پر اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیتا ہے۔بنی اسرائیل میں تین افراد تھے۔ایک جذامی، دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔اللہ تعالیٰ نے تینوں کو آزمانا چاہا۔ایک فرشتہ کو(انسان کی شکل میں)ان کے پاس بھیجا۔وہ جذامی کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟اس نے جواب دیا: میں چاہتا ہوں کہ میری بیماری دور ہو اور میری جِلد خوب صورت ہو، کیوں کہ لوگ اس حالت کو دیکھ کر مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا، اس کی بیماری دور ہوگئی اور اس کی جلد بھی صاف اور خوب صورت ہوگئی۔پھر فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تمھیں کون سا مال پسند ہے؟اس نے کہا: اونٹ۔چناں چہ اسے ایک اونٹنی عطا کی اور پھر برکت کی دعا دی۔

پھر فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟اس نے جواب دیا کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا گنجا پن دور ہو جائے اور اللہ تعالیٰ مجھے خوب صورت بال عطا کرے۔فرشتے نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کا گنجا پن دور ہو گیا اور خوب صورت بال نکل آئے۔پھر اس سے پوچھا کہ تمھیں دنیا کا کون سا مال زیادہ پسند ہے؟اس نے کہا: مجھے گائے پسند ہے۔اسے ایک گائے دی اور دعا دی کہ اللہ اس میں برکت عطا فرمائے۔

پھر فرشتہ نابینا کے پاس گیا اور اس سے دریافت کیا کہ تم کیا چاہتے ہو؟اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ میری بینائی لوٹ آئے۔فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا تو اس کی بینائی لوٹ آئی۔فرشتے نے اس سے پوچھا کہ تمھیں دنیا کی کون سی چیز پسند ہے؟اس نے کہا: مجھے بکری پسند ہے۔اسے ایک بکری عطا کی اور اس میں برکت کی دعا دی۔

اللہ نے ان کے مال میں برکت دی۔کچھ ہی مدت میں وہ اونٹ، گائے اور بکری کے ریوڑ کے مالک بن گئے۔پھر اللہ نے دوبارہ فرشتے کو اسی شکل میں بھیجا۔وہ پہلے جذامی کے پاس گیا اور کہا کہ میں ایک محتاج آدمی ہوں، مجھے طویل سفر درپیش ہے، سامانِ سفر بھی نہیں ہے، میں اللہ کی مدد کے بعد تمھاری عنایت کے بغیر اپنے گھر نہیں پہنچ سکتا۔میں تم سے اللہ کا نام لے کر سوال کرتا ہوں جس نے

تمھیں یہ خوب صورت جسم عطا کیا، جلد حسین بنائی اور اتنے سارے اونٹ عطا کیے، کہ ان میں سے ایک اونٹ مجھے دے دو جس پر سوار ہو کر میں اپنے گھر جا سکوں۔ اس شخص نے کہا کہ میں نے یہ مال اپنی محنت سے کمایا ہے، اور اس میں بہت سے حقوق ہیں۔ میں تمھیں اس میں سے کچھ نہیں دے سکتا۔ فرشتے نے کہا کہ اگر تم اپنی بات میں جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی پہلی حالت پر لوٹا دے۔

اس کے بعد فرشتہ گنجے کے پاس گیا اور اس نے اس سے بھی وہی بات کہی، جو کوڑھی کے مریض سے کہی تھی۔ اس نے بھی وہی جواب دیا جو کوڑھی نے دیا تھا۔ فرشتے نے اس سے بھی کہا: اگر تم اپنی بات میں جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمھیں اپنی پہلی حالت پر لوٹا دے۔

پھر فرشتہ نابینا کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی بات کہی جو پہلے دو ساتھیوں سے کہا تھا۔ نابینا نے کہا: ہاں! میں اندھا تھا، اللہ تعالیٰ نے مجھے آنکھیں دیں، مال و دولت عطا کیا، تم اسی کا واسطہ دے کر مجھ سے سوال کر رہے ہو۔ اس مال میں سے جو چاہو لے جاؤ۔ فرشتے نے کہا: میں محتاج نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ نے تم تینوں کو آزمایا۔ وہ دونوں ناکام ہو گئے اور تم کامیاب ہوے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے ناراض ہوا اور تم سے خوش ہوا۔

(۴)۔ نعمتیں چھن جاتی ہیں: سورۂ کہف میں دو دوستوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جن میں ایک غریب مگر نیک اور اللہ کا فرماں بردار تھا، جب کہ دوسرا مال دار تھا، دولت کے نشے میں چور ہو کر وہ اپنے غریب ساتھی سے کہنے لگا کہ میں تم سے زیادہ مال دار ہوں اور میرے حمایتی بھی تم سے زیادہ ہیں۔ اپنے خوب صورت باغات کو دیکھ کر کہنے لگا کہ میں نہیں سمجھتا کہ میرے یہ باغات کبھی ختم ہوں گے۔ بالآخر اپنی دولت، اور خوش حالی کے نشے میں وہ آخرت کا بھی انکار کر بیٹھا۔ اس کے نیک دوست نے اسے سمجھاتے ہوے کہا کہ تمھیں اپنے خالق کا انکار اور اس کی نعمتوں کی ناشکری نہیں کرنی چاہیے، بل کہ اس کی نعمتوں پر شکر بجالاتے ہوے یہ کہنا چاہیے: مَاشَاءَ اللّٰهُ لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (اللہ کی مشیت کے بغیر کسی کو کوئی قوت حاصل نہیں ہو سکتی) مگر اس نصیحت کا اس پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس کے باغ کو تباہ و برباد کر دیا۔ فرمایا گیا:

> وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَى مَا أَنْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَيَقُولُ يَالَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدا۔ (الکہف:۴۲) ’’اور اس کے تمام

پھلوں کو آفت نے گھیر لیا، پس ان پھلوں پر جتنا مال خرچ کیا تھا، اس پر کفِ افسوس ملنے لگا۔ وہ باغ اپنے چھپروں سمیت گرا پڑا تھا۔ اور وہ آدمی کہنے لگا: اے کاش! میں نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنایا ہوتا''۔

شکر گزاری کے فوائد: جس طرح ناشکری پر اللہ تعالیٰ نعمتیں چھین لیتا ہے، اسی طرح شکر گزاری پر اللہ تعالیٰ مزید نعمتوں سے نوازتا ہے۔ سورۂ ابراہیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ۔ (۷) ''اگر تم شکر ادا کروگے تو میں تمھیں زیادہ دوں گا''۔

۲۔ شکر گزاروں سے اللہ تعالیٰ خوش اور راضی ہوتا ہے۔ سورۂ زمر میں ارشاد ہے:

وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ۔ (الزمر: ۷) ''اور اگر تم شکر گزار بنو گے تو وہ تمھاری طرف سے اسے پسند کرے گا''۔

۳۔ شکر گزاروں کو اللہ تعالیٰ اجرِ عظیم سے نوازتا ہے۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشَّاكِرِيْنَ۔ (آل عمران: ۱۴۴) ''اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے گا''۔

شکر گزاروں کو اللہ تعالیٰ جنت میں ایک مخصوص مقام عطا کرتا ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جب کسی مومن بندے کا بیٹا انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہتا ہے کہ کیا تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کی؟ وہ کہتے ہیں کہ ہاں!۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: کیا تم نے میرے بندے کے جگر گوشے کو چھین لیا؟ وہ اثبات میں جواب دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ میرے بندے نے کیا کیا۔ فرشتے کہتے ہیں: حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ ۔ اس نے تیری تعریف کی اور اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اِبْنُوْا لِعَبْدِىْ بَيْتًا فِى الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ ۔ میرے اس بندے کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر کر دو اور اس کا نام ''بیت الحمد'' رکھ دو۔ (ترمذی: باب فضل المصیبۃ اذا احتسب)

۴۔ شکر گزاری عذابِ الٰہی سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ آمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا۔ (النساء: 147) ''اگر تم شکر ادا کروگے اور ایمان لاؤ گے تو اللہ تمھیں عذاب دے

کر کیا کرے گا۔اور اللہ بڑا قدر کرنے والا اور بڑا علم والا ہے''۔

قومِ لوط پر اللہ کا عذاب آیا تو ساری قوم ہلاک ہوگئی۔اس عذاب سے وہی لوگ محفوظ رہے جو شکر بجالاتے تھے۔سورۂ قمر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّـا أَرۡسَلۡنَـا عَـلَيۡهِـمۡ حَـاصِبًا اِلَّاآلَ لُوۡطٍ نَجَّيۡنَاهُمۡ بِسَحَرٍ ،نِعۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا كَـذَالِكَ نَـجۡـزِىۡ مَنۡ شَكَرَ ۔(القمر:۳۴تا۳۵)''ہم نے ان پر پتھروں کی بارش کردی تھی،سوائے آل لوط کے،انھیں ہم نے صبح کے وقت بچالیا تھا۔یہ ہمارا ان پر احسان تھا۔ہم شکر کرنے والے کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں''۔

اللہ کے ساتھ بندوں کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے۔اگر کوئی شخص کسی پر احسان کرے تو اس کا شکریہ ادا کرنا یہ ایمانی اور اخلاقی فریضہ ہے۔اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنۡ لَمۡ يَشۡكُرِ النَّاسَ لَمۡ يَشۡكُرِاللّٰهَ ۔(ترمذی:۱۹۵۵)''جو لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا گویا وہ اللہ کا شکر نہیں بجالاتا''۔

اس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کو اس کا بدلہ دیا جائے۔اور اگر بدلہ دینے کی استطاعت نہ ہو تو زبانی طور پر اس کا شکریہ ادا کیا جائے:

مَـنۡ صُـنِـعَ اِلَيۡـهِ مَـعۡـرُوۡفٌ فَـقَالَ لِفَاعِلِهِ ۔ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيۡرًا فَقَدۡ أَبۡلَغَ فِى الثَّـنَـاءِ۔(ابوداؤد:۱۷۳۹)''جس کے ساتھ بھلائی کی جائے اور وہ بھلائی کرنے والے کو ''جَزَاكَ اللّٰهُ خَيۡرًا'' کہے تو اس نے اس کی تعریف کا حق ادا کردیا''۔

مخلوقات میں سے بڑا حق ماں باپ کا ہے اور ان کے احسانات اولاد پر سب سے زیادہ ہیں۔اسی لیے اللہ کے ساتھ ماں باپ کا بھی شکر بجالانے کی تعلیم دی گئی ہے۔ارشاد باری ہے:

أَنِ اشۡكُرۡلِىۡ وَلِوَالِدَيۡكَ ۔(لقمان:۱۴)''تو میرا شکر ادا کر اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر''۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شکر گزاری اللہ کے احسانات کا اعتراف اور اس کی قدر دانی ہے۔ بندۂ مومن کو چاہیے کہ وہ ہر حال میں شکر کی روش اختیار کرے،اور ہر قسم کی ناشکری سے محفوظ رہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں شکر گزار بندہ بنائے،اور اس کا شکر ادا کرتے رہنے کی توفیق بخشے۔آمین ○○○

ریاکاری،نقصانات اورعلاج

عبادات اور نیک اعمال کی قبولیت کی ایک اہم شرط اخلاص ہے۔اخلاص کے بغیر کوئی بھی عمل اللہ کے دربار میں قبول نہیں ہوتا۔اسی لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ اخلاص کو اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔نبی کریم ﷺ کو خطاب کرکے فرمایا گیا:فَاعۡبُدِاللّٰهَ مُخۡلِصًا لَهُ الدِّيۡنَ ۔(الزمر:2)''آپ اللہ ہی کی عبادت کریں،اسی کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے''۔

اخلاص کو نقصان پہنچانے والی چیزوں میں سے ایک اہم چیز ریاکاری ہے۔علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:''دل کو لاحق ہونے والی بیماریوں میں دو بیماریاں بڑی خطرناک ہیں۔اگر انسان ان کا تدارک نہ کرے تو وہ اس کو ہلاک کردیں گی۔وہ ہیں:ریاکاری اور کبر و تکبر''۔() ریاکاری کا مطلب ہے:''لوگوں کو خوش کرنے،ان میں مقام اور مرتبہ حاصل کرنے یا ان کو دکھانے کے لیے نیک عمل انجام دینا''۔

لوگوں کی وجہ سے عمل ترک کرنا بھی ریاکاری کی ایک قسم ہے۔فضیل بن عیاض فرماتے ہیں: تَرۡكُ الۡعَمَلِ لِأَجۡلِ النَّاسِ رِيَاءٌ وَالۡعَمَلُ لِأَجۡلِ النَّاسِ شِرۡكٌ وَالۡإِخۡلَاصُ أَنۡ يُعَافِيَكَ اللّٰهُ مِنۡهُمَا ۔()''لوگوں کی خاطر عمل ترک کرنا ریاکاری ہے،اوران کی خاطر عمل کرنا شرک ہے۔اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دونوں برائیوں سے محفوظ رکھے''۔

ریاکاری بہت ہی خطرناک مرض ہے۔اس عمل کو احادیث میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:مَنۡ صَلّٰى يُرَائِيۡ فَقَدۡ أَشۡرَكَ ،وَمَنۡ صَامَ يُرَائِيۡ فَقَدۡ أَشۡرَكَ وَمَنۡ تَصَدَّقَ يُرَائِيۡ فَقَدۡ أَشۡرَكَ ۔()''جس نے دکھاوے کے لیے نماز پڑھا،اس نے شرک کیا۔جس نے دکھاوے کے لیے روزہ رکھا،اس نے شرک کیا اور جس نے دکھاوے کے لیے صدقہ کیا،اس نے شرک کیا''۔

سورۂ توبہ میں ریاکاری کو کفار اور مشرکین کا عمل قرار دیتے ہوئے اس سے اجتناب کی تعلیم دی گئی ۔فرمایا گیا:وَلَا تَكُوۡنُوۡا كَالَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ بَطَرًا وَرِئَاءِ النَّاسِ وَيَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ

اللّٰهِ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيطٌ ۔(التوبۃ:47)''ان لوگوں کی مانند نہ ہوجاؤ جواتراتے ہوے اورلوگوں میں خودنمائی کرتے ہوے اپنے گھروں سے نکلے،اوراللہ کی راہ سے روکتے تھے،جو کچھ وہ کررہے ہیں،اللہ اسے گھیر لینے والا ہے''۔

یہ غیرمحسوس طریقے سے انسان کے اعمال میں داخل ہوجاتا ہے۔حضرت ابوبکرؓ کوخطاب کرکےآپ ﷺ نے فرمایا:اَلشِّرْكُ فِيكُمْ أَخْفىٰ مِنْ دَبِيبِ النَّمَلِ ۔''شرک(ریاکاری)تمھارے اعمال میں چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ آہستگی کےساتھ سرایت کرتا چلا جاتا ہے(کہ اس کا احساس بھی نہیں ہوتا)''۔()

رسول اکرم ﷺ نے اپنی امت کو جن چیزوں سے سب سے زیادہ متنبہ کیا،ان میں سے ایک ریاکاری بھی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:اِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ ۔''مجھےتم پر سب سے زیادہ ڈرشرکِ اصغر کا ہے''۔(صحابہ کرامؓ نے دریافت کیاکہ) اے اللہ کے رسول ﷺ! شرک اصغر کسے کہتے ہیں؟آپ ﷺ نے فرمایا:ریاکاری۔()

ایک اورموقع پرآپ ﷺ نے ریاکاری کودجال سے بڑا فتنہ قراردیا۔فرمایا:أَلَاأُخْبِرُكُمْ بِمَا هُوَ أَخْوَفُ عَلَيْكُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ۔قَالُوا بَلٰی۔قَالَ :اَلشِّرْكُ الْخَفِيُّ ۔()''کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتلاؤں جومیرے نزدیک تمھارے لیے دجال سے زیادہ خوف ناک ہے۔صحابہ کرامؓ نے فرمایا کہ ضرور بتائیے۔آپ ﷺ نے فرمایا:شرکِ خفی''۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:لِكُلِّ شَيْءٍ آفَةٌ وَآفَةُ الدِّينِ الرِّيَاءُ۔()''ہر چیز کی ایک آفت ہے۔دین کی آفت ریاکاری ہے''۔

نقصانات:ریاکاری انسان کے دین کو برباد کرنے والاعمل ہے۔اس کی وجہ سےانسان بہت سی سعادتوں سےمحروم ہوتا ہے۔

ا۔نفاق:سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس کی وجہ سےایمان کی سعادت سےمحروم ہوجاتا ہے، اوراس کے اندرنفاق کا خطرناک مرض پیدا ہونے لگتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں منافقین کی

ایک صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ نماز ریاکاری کے جذبات کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔سورۂ نساء میں ارشادہوا: اِنَّ الْـمُـنٰـفِقِيْنَ يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُـرَاءُوْنَ النَّـاسَ وَلَايَـذْكُرُوْنَ اللّٰـهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔(النساء:142)''بےشک منافق اللہ سے چال بازیاں کررہے ہیں اور وہ انھیں اس چال بازی کا بدلہ دینے والا ہے۔اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں۔صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو برائے نام یاد کرتے ہیں''۔

۲۔نیک اعمال کا ضیاع:اگر اخلاص نہ ہوتو ریاکاری انسان کے اعمال میں سرایت کرتی چلی جاتی ہے۔اور جس عمل میں ریاکاری شامل ہوجائے،وہ اس کو ضائع اور برباد کردیتی ہے۔سورۂ فرقان میں ارشاد ہے:وَقَـدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا.(الفرقان:23)''اورانھوں نے جو جو اعمال کیے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انھیں پراگندہ ذروں کی طرح کردیا''۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:''ان سے مراد وہ اعمال ہیں جو اخلاص کی دولت سے محروم رہے یا وہ جو سنت رسول کے مطابق نہیں تھے''۔

عمل کتنا ہی زیادہ ہو اگر اس میں ذرہ برابر ریاکاری داخل ہوجائے تو سارا عمل رائیگاں ہوجاتا ہے۔حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:أَنَـا أَغْـنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ ، مَنْ عَمِلَ عَـمَلًا أَشْـرَكَ فِيْـهِ مَـعِيَ غَيْـرِيْ تَـرَكْتُـهُ وَشِرْكَـهُ ۔(مسلم:بـاب مـن أشـرك فـى عملـه غیر الله: 7666)''میں شرک سے بیزار ہوں،جو کوئی ایسا عمل کرے جس میں میرے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرے تو میں اس کو اور اس میں میرے حصے کو ترک کردیتا ہوں''۔

۳۔ریاکار قیامت کے دن اسی حالت میں اٹھایا جائے گا:انسان جس حالت میں انتقال کرجاتا ہے، اسی حالت میں وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا۔اگر اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا،شہید ہوجائے تو اسی حالت میں اٹھایا جائے گا اور اگر حج کرتے ہوئے انتقال کرجائے تو تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا۔اسی طرح اگر کوئی ریاکار ہوگا تو اس کی ریاکاری اس پر ظاہر ہوگی،اسی حالت میں اٹھایا جائے

گا۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: وَمَنْ قَامَ بِرَجُلٍ مَقَامَ سُمْعَةٍ وَرِيَاءً فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُوْمُ بِهِ مَقَامَ سُمْعَةٍ وَرِيَاءٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔(ابوداؤد:4881)''جو کسی شخص کے پاس ریاکاری اور شہرت کے مقام پر کھڑا ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو شہرت وریاکاری کے مقام پر کھڑا کرے گا''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا:: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! أَخْبِرْنِيْ عَنِ الْجِهَادِ وَالْغَزْوِ فَقَالَ :يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو! إِنْ قَاتَلْتَ صَابِرًا مُحْتَسِبًا بَعَثَكَ اللّٰهُ صَابِرًا مُحْتَسِبًا وَإِنْ قَاتَلْتَ مُرَائِيًا مُكَاثِرًا بَعَثَكَ اللّٰهُ مُرَائِيًا مُكَاثِرًا۔يَا عَبْدَاللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو !وَعَلٰى أَيِّ حَالٍ قَاتَلْتَ أَوْ قُتِلْتَ بَعَثَكَ اللّٰهُ عَلٰى تِيْكَ الْحَالِ۔اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے جہاد بارے میں بتائیے۔آپ ﷺ نے فرمایا: اے عبداللہ! اگر تم استقامت کے ساتھ ثواب کی نیت سے لڑتے ہوئے شہید ہو جاؤ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمھیں اس حالت میں اٹھائے گا اور اگر تم طلبِ مال اور ریاکاری کی بنیاد پر لڑتے رہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حریص اور ریاکار کے طور پر اٹھائے گا''۔(ابوداؤد:2519)

۴۔قیامت کے دن رسوائی: قیامت کے دن ریاکاروں کو بری طرح رسوا کیا جائے گا۔رسول اکرم ﷺ نے ایک موقع پر صحابہ کرامؓ سے فرمایا:''مجھے تمھارے بارے میں سب سے زیادہ شرک اصغر کا ڈر ہے۔صحابہؓ نے پوچھا کہ شرک اصغر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے کہا: شرک اصغر ریاکاری ہے۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے لوگوں سے کہے گا: اِذْهَبُوْا اِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاءُوْنَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً ۔''ان لوگوں کے پاس جاؤ، جن کو خوش کرنے کے لیے تم دنیا میں نیکیاں کیا کرتے تھے، اور دیکھو وہ تمھیں کیا بدلہ دیتے ہیں۔(السلسلة الصحيحة:2435)۔(ترمذی: ابواب تفسیر القرآن: باب ومن سورۃ الکھف)

۵۔جہنم میں داخلہ: جہنم کی آگ ریاکاروں سے ہی سلگائی جائے گی۔قیامت کے دن جن لوگوں کا سب سے پہلے فیصلہ ہوگا ان میں ایک عالم، دوسرا مال دار اور تیسرا وہ شخص ہوگا جو اللہ کی راہ میں اپنی جان قربان کیا ہوگا۔اللہ تعالیٰ تینوں کو اپنی نعمتیں یاد دلا کر پوچھے گا کہ تم نے میرے دین کے لیے

کیا کیا؟ عالم کہے گا کہ میں نے تیرے دین کو عام کیا۔ مال دار کہے گا کہ خیر کے تمام راستوں میں میں نے اپنا مال خرچ کیا۔ اور تیسرا کہے گا کہ میں نے دین کی سربلندی کی خاطر لڑتے لڑتے اپنی جان قربان کر دی۔ اللہ تعالی تینوں سے کہے گا کہ تم جھوٹے ہو،تم نے یہ سارے کام اس لیے کیے کہ لوگ تمھیں عالم اور قاری کہیں ، مال دار اور سخی کہیں اور بہادر اور طاقت ور کہیں ، اور یہ چیز تمھیں دنیا میں حاصل ہوگئی،(ان کی یہ ساری نیکیاں ضائع ہو جائیں گی) پھر انھیں فرشتے گھسیٹ کر جہنم میں داخل کر دیں گے''۔(مسلم:باب من قاتل للرياء والسمعة استحق النار:5032)

اس حدیث کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں۔ جب وہ یہ حدیث بیان کرتے تو (ریا کاری کے اس انجام کو سوچ کر)ان پر تین تین چار چار مرتبہ غشی طاری ہو جاتی اور وہ بے ہوش ہو جاتے۔

حضرت معاویہؓ نے جب یہ حدیث سنی تو کہنے لگے: قَدْ فُعِلَ بِهٰؤُلَاءِ هٰذَا فَكَيْفَ بِمَنْ بَعْدَهُمْ،ثُمَّ بَكىٰ مُعَاوِيَةُ بُكَاءً شَدِيْدًا، يَقُوْلُ الرَّاوِيْ :حَتىّٰ ظَنَنَّا أَنَّهُ هَالِكٌ۔''ان لوگوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوا،ان کے بعد آنے والوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا؟ پھر حضرت معاویہؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے،اس قدر روئے کہ راویٔ حدیث کہتے ہیں کہ ہمیں خوف ہونے لگا کہ کہیں فوت نہ ہو جائیں''۔

۶۔ جنت سے محرومی: سب سے بڑی محرومی اور بدنصیبی یہ ہے کہ قیامت کے دن انسان کو جنت سے محروم کر دیا جائے۔جن بدنصیبوں کو جنت سے محروم کر دیا جائے گا،ان میں سے وہ لوگ بھی ہوں گے جو نیک اعمال اللہ کی بجائے لوگوں کو خوش کرنے یا ریا کاری کے جذبات سے کیا کرتے تھے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِّمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهَ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرَفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔(ابوداؤد:)''جو شخص ایسا علم جس کا مقصود رضائے الٰہی ہو، دنیوی مفاد کی خاطر حاصل کرے تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوش بو بھی محسوس نہیں کرے گا''۔

ریا کاری کی قسمیں: ریا کاری کے اعتبار سے عمل کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ نیک عمل کا مقصد رضائے الٰہی نہ ہو بل کہ محض لوگوں کی خوش نودی ، دنیوی مفاد کا حصول،

شہرت وناموری اور ریاکاری ہو۔ یہ حقیقت میں نفاق کی ایک قسم ہے، جیسا کہ منافقین کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے نمازیں پڑھتے ہیں۔(النساء:)

۲۔نیک عمل تو اللہ کے لیے شروع کیا گیا ہو، مگر درمیان میں اس میں ریاکاری کا جذبہ شامل ہو جائے۔اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

الف:اگر ریاکاری اصل عمل میں داخل ہو جائے اور وہ آخر تک باقی رہے تو وہ عمل کو ضائع اور برباد کردے گی۔اسی کو ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے باطن کا شرک قرار دیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:''لوگو! پوشیدہ شرک سے بچو۔صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا: پوشیدہ شرک کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:۔يَقُومُ الرَّجُلُ فَيُصَلِّي فَيُزَيِّنُ صَلَاتَهُ جَاهِداً لِمَا يَرىٰ مِنْ نَظَرِ النَّاسِ اِلَيْهِ فَذَالِكَ شِرْكُ السَّرَائِرِ ۔یعنی آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو،اور اپنی نماز کو لوگوں کو دکھانے کے لیے مزین کرے۔یہی پوشیدہ شرک ہے''۔(صحیح ابن خزیمہ:937)

ب:اگر ریاکاری کا یہ جذبہ درمیان میں داخل ہوا تھا، درمیان ہی میں اس نے نیت کی اصلاح کر لی گئی تو اس کی وجہ سے عمل پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔

۳۔بندہ اللہ کے لیے عبادت شروع کرے، اور اللہ ہی کے لیے عبادت سے فارغ ہو۔ پھر اس چیز کا لوگوں کو علم ہو جائے اور اس پر اس کی تعریف ہو تو اس کے دل کو سکون واطمینان ہو اور وہ مزید اس بات کی تمنا کرے کہ لوگ اس کی تعریف وتوصیف کریں۔یہ خوشی ومسرت اور تعریف کی مزید خواہش اور اپنے مطلوب کے حصول کی تمنا پوشیدہ ریاکاری پر دلالت کرتی ہے۔

۴۔عمل اللہ کے لیے شروع کیا گیا ہو۔عمل ختم ہونے کے بعد لوگ تعریف کریں تو عمل کرنے والے کو اس سے خوشی محسوس ہو تو یہ اس کے لیے اللہ کی جانب سے پیشگی بشارت ہے، کیوں کہ رسول اکرم ﷺ سے اس شخص کی بارے میں پوچھا گیا جو خالص اللہ کی رضا کے لیے کوئی عمل کرے اور پھر لوگ اس کی تعریف کریں تو آپ ﷺ نے فرمایا: تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ ۔یہ مومن کے لیے فوری خوش خبری ہے۔(مسلم: کتاب البر والصلۃ، باب اذا اثنی علی الصالح فھی بشری) یہ چیز اس کے ثواب میں

کوئی کمی نہیں کرے گی۔

علاج: ریا کاری سے بچنا بہت ہی دشوار ہے، کیوں کہ ریا کاری کا جذبہ مختلف شکلوں میں نیک اعمال میں داخل ہوتا رہتا ہے، جس کا انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ حضرت یوسف بن حسین رازیؒ فرماتے ہیں: أَعَزُّ شَيْءٍ فِي الدُّنيَا اَلْإِخلَاصُ وَكَمْ أَجْتَهِدُ فِيْ اِسْقَاطِ الرِّيَاءِ عَنْ قَلْبِيْ فَكَأَنَّهُ يُنْبِتُ فِيهِ عَلٰى لَوْنٍ آخَرَ۔() ''اخلاص کا حصول دنیا کی دشوار ترین چیزوں میں سے ہے۔ میں نے اپنے دل سے ریا کاری کو ختم کرنے کی حد درجہ کوشش کی مگر وہ ہمیشہ کسی دوسری شکل میں ظاہر ہوتی رہی''۔

ریا کاری سے بچنے کی چند تدابیر یہ ہیں:

ا۔ نیت کی اصلاح: ریا کاری سے بچنے کا ایک اہم ذریعہ نیت کی اصلاح ہے۔ عمل شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت کا جائزہ لینا چاہیے اور ہر طرح کے بگاڑ اور فساد سے اس کی اصلاح کر لینا چاہیے۔ کیوں کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ (بخاری)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: هٰذَا الْحَدِيْثُ ثُلُثُ الْعِلْمِ وَيَدْخُلُ فِيْ سَبْعِيْنَ بَابًا مِّنَ الْفِقْهِ ۔() ''علم دین کا ایک تہائی حصہ اس حدیث میں موجود ہے۔ اور فقہ کے ستر ابواب میں اسے داخل کیا جا سکتا ہے''۔

کسی کا قول ہے: نِيَّةُ الْإِنْسَانِ خَيْرٌ مِّنَ الْعَمَلِ۔ ''انسان کی نیت عمل سے بہتر ہے''۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں: ہر وہ شخص جو نماز، روزہ اور صدقہ یا کسی بھی نیکی کی صورت میں کوئی عمل کرے تو ضروری ہے کہ عمل سے پہلے نیت کر لے کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے''۔

فضل بن زیاد نے امام احمد بن حنبلؒ سے دریافت کیا کہ بندہ نیت کس طرح کرے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: يُعَالِجُ نَفْسَهُ إِذَا أَرَادَ عَمَلًا لَا يُرِيْدُ بِهِ النَّاسَ ۔() ''جب عمل کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے نفس کا مکمل مجاہدہ کرے کہ اس عمل کے ذریعے لوگوں کی رضامندی مقصود نہ ہو''۔

حضرت یحی بن ابو کثیرؒ فرماتے ہیں: تَعَلَّمُوا النِّیَّۃَ فَاِنَّھَا اَبلَغُ مِنَ الْعَمَلِ۔ ''نیت کودرست کرو، کیوں کہ اس کی درستی عمل سے بہتر ہے''۔(الحلیۃ لأبی نعیم: ج ۲۰/۳)

زید بن ابی حبیب سے سفیان بن سعید ثوری نے حدیث سنانے کو کہا، لیکن یزید بن ابی حبیب خاموش بیٹھے رہے۔ جب سفیان کا اصرار اور تقاضا بڑھا تو فرمانے لگے: لَاحَتّٰی تَجِیءَ النِّیَّۃُ۔ ''نہیں ،ابھی نہیں ذرا نیت درست کر لینے دو''۔

ریا کاری کا یہ مرض عام لوگوں کے مقابلے میں عبادت گزار ،علماء ،فقہاء ،دین دار ،دعاۃ و مصلحین کو زیادہ لاحق ہوتا ہے۔ جو عمل ہی نہیں کرتا تو اسے اس بیماری کے لاحق ہونے کا اندیشہ ہی نہیں ہے۔اس لیے علماء اور زہاد کو اپنی نیت کی اصلاح کی فکر دوسروں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی کرنا چاہیے۔

۲۔اخلاص: ریا کاری سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ برے جذبات سے اپنے دل کو پاک کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر اخلاص پیدا کریں۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں: لَایَعْرِفُ الرِّیَاءَ اِلَّا مُخْلِصٌ۔()

حضرت سہل بن عبداللہؒ سے پوچھا گیا: نفس پر سب سے مشکل ترین چیز کون سی ہے؟ آپ نے جواب دیا: اخلاص۔()

۳۔نفس کا بار بار جائزہ: نفس انسان کو برائیوں پر ابھارتا رہتا ہے۔نفس کی برائی سے محفوظ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ نفس کی کم زوریوں اور خامیوں سے واقف ہوں،اور ان کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

۴۔نیکیوں کو چھپا کر انجام دینا: کسی حکیم سے پوچھا گیا: مخلص کون ہے؟ اس نے کہا: اَلْمُخْلِصُ اَلَّذِیْ یَکْتُمُ حَسَنَاتِہٖ کَمَا یَکْتُمُ سَیِّئَاتِہٖ۔() ''مخلص وہ ہے جو اپنی نیکیوں کو لوگوں سے چھپاتا ہے''۔

فضیل بن عیاض فرماتے ہیں: خیر العمل اخفاہ ،امنعہ من الشیطان و ابعدہ من

الـريـاء۔()’’بہترین عمل وہ ہے جو مخفی طور پر انجام دیا جائے۔کیوں کہ یہ شیطان سے محفوظ رہنے اور ریاکاری سے بچنے کا اہم ذریعہ ہے‘‘۔

۴۔دعاؤں کا اہتمام: سب سے اہم ذریعہ دعا ہے۔رسول اکرم ﷺ نے ریاکاری کی سنگینی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: وَسَأَدُلُّكَ عَلىٰ شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتَهُ أَذْهَبَ عَنْكَ كِبَارَ الشِّرْكِ وَصِغَارَهُ تَقُوْلُ :اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ وَأَنَا أَعْلَمُ وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ۔(الجامع الصغیر: **6044**)’’میں تمھیں ایک ایسی دعا بتلاتا ہوں کہ اگر تم اس کا اہتمام کروگے تو شرک اکبر اور شرک اصغر دونوں سے محفوظ رہوگے، تم یہ دعا پڑھتے رہو:’’اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس شرک سے جس کو میں جانتے بوجتے انجام دوں اور تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں، ان گناہوں سے جو ان جانے میں مجھ سے سرزد ہوجائیں‘‘۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ریاکاری سے بچائے اور اخلاص کی دولت سے مالامال فرمائے۔

آمین

فالِ نیک، اسلام کی نظر میں

اللہ تعالیٰ ہمارا خالق، مالک اور رازق ہے۔ ساری دنیا اسی کے قبضے میں ہے۔ وہی مسبب الاسباب ہے۔ کسی چیز، دن، مہینے، یا سال میں فی نفسہ کوئی تاثیر نہیں ہے۔ ظاہری اسباب میں تاثیر پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ اس کی مشیت کے بغیر کوئی چیز نہ نفع پہنچا سکتی ہے، نہ نقصان۔ ارشاد ہے:

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ وَاِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔(یونس: 107) ''اور اگر اللہ تم کو کسی تکلیف سے دوچار کردے تو اس کے سوا کوئی اور اسے دور نہیں کرسکتا اور اللہ تم کو کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کی مہربانی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے مہربانی فرمائے اور اللہ ہی معاف کرنے والا اور بڑی رحمت والا ہے''۔

یہی حال بدشگونی اور فالِ نیک کا ہے۔ ان دونوں کا کوئی طبعی اثر نہیں ہے۔ البتہ نفسیاتی طور پر انسان پر اس کے اچھے اور برے اثرات مرتب ہوسکتے ہیں۔

● فالِ نیک اور بدشگونی میں فرق:

۱۔ بدشگونی ناپسندیدہ عمل ہے، اور فالِ نیک ایک پسندیدہ عمل ہے۔

۲۔ بدشگونی ناامیدی، پست ہمتی، سستی اور عمل سے دوری کا سبب بنتی ہے، جب کہ فالِ نیک سے اچھے انجام کی امید اور کام کرنے کی تحریک اور شوق پیدا ہوتا ہے۔

۳۔ بدفالی اللہ سے سوءِ ظن کے قبیل سے ہے، جب کہ فالِ نیک اللہ سے حسنِ ظن کی ایک قسم ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ ویسے ہی معاملہ کرتا ہے، جیسے بندہ اللہ کے بارے میں گمان کرتا ہے۔ اگر بُرا گمان کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بُرا معاملہ کرتا ہے اور اگر اچھا گمان رکھے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرتا ہے، اس لیے اللہ سے حسنِ ظن اور اچھا گمان کرنے کی تعلیم دی گئی۔

۴۔ فالِ نیک کی وجہ سے نفس کو خوشی اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ جب کہ بدشگونی سے انسان کے اندر مایوسی، پست ہمتی اور افسردگی پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ فالِ نیک سے اللہ کی رحمت سے امید پیدا ہوتی ہے، جب کہ بدفالی سے اللہ کی رحمت سے

مایوسی اور ناامیدی پیدا ہوتی ہے۔

۶۔فالِ نیک خیر اور بھلائی کے حصول کا سبب بنتا ہے، جب کہ بدفالی خیر اور بھلائی سے محرومی کا باعث ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے اسلام نے بدشگونی کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے، اس سے بچنے کی تاکید کی ہے، اور بتایا ہے کہ یہ عمل نہ حصولِ نفع کے لیے موثر ہے اور نہ دفعِ ضرر کے لیے، بلکہ یہ شرک کا ذریعہ ہے۔قبولِ اسلام کے بعد حضرت معاویہ بن الحکمؓ نے رسول اکرم ﷺ سے کئی سوال کیے۔ان میں ایک سوال یہ تھا: وَمِنَّا رِجَالٌ يَّتَطَيَّرُوْنَ ۔''ہم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو بدشگونی لیتے ہیں، کیا یہ عمل درست ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهُ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ. (مسلم: 1227)''یہ ویسے ہی اپنے دل میں وسوسہ اور وہم پاتے ہیں۔یہ چیز انھیں کام سے نہ روکے''۔

جس کے دل میں بھی اس طرح کا خیال پیدا ہو، اُسے چاہیے کہ فوراً اسے جھٹک دے اور اللہ پر بھروسا کرے۔حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ، ثَلَاثًا، وَمَامِنَّاإِلَّا وَلٰكِنْ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ. (ابوداؤد:باب فی الطیرۃ: 3912)''بدشگونی شرک ہے۔یہ بات آپ ﷺ نے تین بار دہرائی۔حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم سے ہر شخص کے دل میں بہ تقاضاے بشریت اس طرح کا وسوسہ کبھی پیدا ہوتا ہے مگر توکل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس وسوسے کو دور فرما دیتا ہے''۔

اس کے برعکس فالِ نیک کو جائز قرار دیا ہے۔حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

> لَا طِيَرَةَ وَخَيْرُهَا الْفَالُ ،قَالَ :وَمَاالْفَالُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟قَالَ :اَلْكَلِمَةُ الصَّالِحَةُ يَسْمَعُهَا أَحَدُكُمْ ۔(بخاری: 5755)''بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں۔البتہ بہترین چیز فالِ نیک ہے۔انھوں نے دریافت کیا: فالِ نیک کا مطلب کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بہترین بات جو آدمی کسی سے سنتا ہے''۔

یہ انسانی فطرت ہے کہ جس طرح اچھی اور خوب صورت چیزوں کو دیکھنے سے انسان کو خوشی ہوتی

ہے،اسی طرح اچھے کلمات سننے سے اسے فرحت ہوتی ہے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

فالِ نیک کا مطلب ہے : اچھی بات جسے سن کر آدمی کے اندر مسائل کو حل کرنے، مشکلات کا سامنا کرنے اور پریشانیوں کو دور کرنے کا حوصلہ پیدا ہو۔مثلاً: کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر اس کے حق میں ایسا حوصلہ افزا کلمہ کہنا جسے سن کر اسے اس مصیبت کا مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا ہو۔کسی بیمار کو دیکھ کر کہنا:یَا سَالِمُ ۔اے صحت مند۔(جسے سن کر اسے بیماری دور ہونے کی امید ہو)،کسی شخص کی کوئی چیز گم ہوگئی ہو تو اسے:یَا وَاجِدُ ! کہنا۔اے گم شدہ چیز کو پانے والے!عرب کے لوگ صبح کے وقت فالِ نیک لیتے ہوے کہتے:صَبَاحَ الْخَیْرِ۔یعنی تمھاری صبح بہتر ہو۔

● فالِ نیک کا حکم: اچھی چیزوں اور خوش نما مناظر کو دیکھ کر خوشی محسوس کرنا انسان کی فطرت ہے۔خوب صورت باغ کو دیکھتا ہے تو اسے خوشی ہوتی ہے۔اسی طرح صاف شفاف بہتی ہوی نہر کا منظر اسے خوش نما لگتا ہے، حالاں کہ ان چیزوں سے اسے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔امام ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں:

''فالِ نیک کی پسند بھی انسانی فطرت میں داخل ہے، البتہ یہ قصد و اراد کے ساتھ نہ ہو۔اگر ارادہ شامل ہوگا تو وہ بدشگونی کے قبیل سے ہوگا، جو ناجائز ہے۔یہی وجہ ہے کہ مصحف اور قرآن مجید سے فال لینا جائز نہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کا حال ہے کہ وہ قرآن مجید کھولتے ہیں اور صفحے کی پہلی آیت سے فالِ نیک لیتے ہیں۔یہ تیروں سے فال لینے کے قبیل سے ہے جو کہ حرام ہے''۔(الاذکار للنووی:ص:256)

فالِ نیک سے امید اور حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔اور یہ ہر حال میں مومن کے لیے مایوسی اور ناامیدی سے بہتر ہے۔امام ابن اثیرؒ فرماتے ہیں:

''فالِ نیک ایک پسندیدہ عمل ہے، کیوں کہ یہ اللہ سے حسنِ ظن کے قبیل سے ہے۔لوگ اگر اللہ کی ذات سے فائدے کی امید رکھیں، تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے۔اور اگر وہ اللہ کی ذات پر امید نہ رکھیں تو یہ چیز انھیں اللہ سے سوءِ ظن میں اور مصیبتوں میں مبتلا کردے گی۔(النهاية فی غريب الحديث والاثر:۴۰۵/۳)

● فالِ نیک سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں: اللہ کے رسول ہر معاملے میں فالِ نیک کو پسند فرماتے تھے۔حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَـانَ لَايَتَـطَيَّرُ مِنْ شَیْءٍ وَكَانَ إِذَا بَعَثَ عَامِلًا سَأَلَ عَنِ اسْمِهِ فَإِذَا أَعْجَبَهُ فَرِحَ بِیْ وَرُئِیَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهِ وَإِنْ كَرِهَ اسْمَهُ رُئِیَ كَرَاهِيَةَ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِـهِ،وَإِذَا دَخَـلَ قَرْيَةً سَأَلَ عَنِ اسْمِهَا فَإِنْ أَعْجَبَهُ اسْمُهَا فَرِحَ وَرُئِیَ بِشْرُ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهِ وَإِنْ كَرِهَ اسْمَهَا رُئِیَ كَرَاهِيَةَ ذٰلِكَ فِیْ وَجْهِهِ ۔(ابوداؤد:باب فی الخط وزجر الطیر)''اللہ کے نبی ﷺ کسی چیز سے بدفالی نہیں لیتے تھے۔البتہ جب آپ کسی کو کہیں کا گورنر بنانا چاہتے تو اس کا نام دریافت کرتے ۔اگر نام اچھا ہوتا تو خوش ہوتے اور آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار دکھائی دیتے،اور اگر نام کا معنی درست نہ ہوتا تو آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار نمودار ہوتے۔اسی طرح جب آپ ﷺ کسی بستی میں داخل ہوتے تو اس کا نام پوچھتے۔نام اچھا ہوتا تو خوش ہوتے اور خوشی کے آثار آپ کے چہرے پر دکھائی دیتے،اور اگر نام اچھا نہ ہوتا تو آپ کے چہرے پر ناپسندیدگی کے آثار نمایاں ہوتے''۔

بسا اوقات آپ ﷺ بُرے معنے والے ناموں کو بدل دیتے تھے۔حضرت عمر بن خطابؓ کی ایک بیٹی کا نام''عاصیہ''(نافرمان) تھا۔آپ ﷺ نے بدل کر''جمیلہ''(خوب صورت) رکھا۔(مسلم:۲۱۳۹) مدینہ منورہ کا نام ہجرت سے پہلے''یثرب'' تھا(جس کے معنی زجر و توبیخ اور ملامت کے ہیں)۔آپ ﷺ نے بدل کر فالِ نیک کے طور پر''طَيِّبَه''اور''طَابَه''رکھا۔(یعنی یہ شہر اس کے باشندوں کے لیے عمدہ اور خوش گوار ہو)

اچھی بات اور اچھے کلمات سننے کو آپ ﷺ پسند فرماتے تھے۔حدیث میں ہے:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَـانَ يُعْـجِبُـهُ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَةٍ أَنْ يَسْمَعَ يَا رَاشِدُ،يَا نَجِيحُ۔ (ترمذی:۱۶۱۶)''بے شک نبی ﷺ کسی ضرورت کے لیے نکلتے تو''یاراشد''(اے نیک)، ''یانجیح''(اے کامیاب) جیسے کلمات سننا پسند کرتے''۔

آپ ﷺ کی یہ ہدایت تھی:

إِذَا أَبْـرَدْتُـمْ إِلَـیَّ بَـرِيْـدًا فَـاجْعَلُوْهُ حُسْنَ الْوَجْهِ حُسْنَ الْإِسْمِ ۔(صحیح الجامع: 413)''جب تم کسی قاصد کو خط دے کر میرے پاس روانہ کرو تو ایسے شخص کو روانہ کرو،جس

کی شکل وصورت بھی اچھی ہو اور نام بھی اچھا ہو‘‘۔

رسول اکرم ﷺ ہر کام دائیں جانب سے کرنے کو پسند کرتے تھے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعْجِبُهُ التَّيَمُّنُ فِي تَنَعُّلِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَطَهُوْرِهِ وَفِيْ شَأْنِهِ كُلِّهِ۔ (بخاری:268)’’نبی کریم ﷺ جوتا پہننے میں، کنگھی کرنے میں، پاکی صفائی میں اور ہر (اچھے) کام میں دائیں جانب سے آغاز کرنے کو پسند کرتے تھے‘‘۔

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

لِأَنَّهُ كَانَ يُحِبُّ الْفَالَ الْحَسَنَ إِذْ أَصْحَابُ الْيَمِيْنِ أَصْحَابُ الْجَنَةِ۔(فتح الباری:1/269)’’آپ ﷺ فالِ نیک لیتے ہوئے ہر کام دائیں جانب سے کرتے تھے، کیوں کہ جنتی اصحاب الیمین ہیں‘‘۔

احادیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ ہر معاملے میں فالِ نیک کا اہتمام کرتے تھے۔

۱۔قحط سالی کے موقع پر: جب آپ ﷺ استسقاء کے لیے نکلتے تو دو رکعت نماز ادا کرتے اور قبلہ رو ہو کر دعا کرتے اور اثنائے دعا اپنی چادر اُلٹ دیتے۔اس موقع پر چادر اُلٹنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام مہلبؒ فرماتے ہیں:

تَحْوِيْلُ الرِّدَاءِ إِنَّمَا هُوَ عَلٰى وَجْهِ التَّفَاؤُلِ بِتَحْوِيْلِ الْحَالِ عَمَّا هِيَ عَلَيْهِ۔ (شرح صحیح البخاری لابن بطال:3/10)’’چادر کو الٹنا فالِ نیک کے طور پر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حالت کو بھی ویسے ہی پلٹ دے جیسے یہ چادر پلٹ دی گئی، اور اس قحط سالی کو خوش حالی میں بدل دے‘‘۔

۲۔مصائب ومشکلات میں: مکہ والوں نے جب آپ ﷺ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ ﷺ اس امید پر طائف تشریف لے گئے کہ اہلِ طائف اسلام قبول کر لیں گے، مگر وہاں کے لوگوں نے بات ماننے کی بجائے آپ ﷺ کے ساتھ بدسلوکی کی اور اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ لہولہان ہو گئے اور آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔جب قدرے افاقہ ہوا تو حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کے پاس آئے اور فرمایا کہ آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کے ساتھ جو سلوک کیا، اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہے۔اس نے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا ہے۔وہ آپ ﷺ کے حکم کا منتظر ہے۔پہاڑوں کے

فرشتے نے کہا: اگر آپ ﷺ حکم دیں تو میں ان دو پہاڑوں کے درمیان ان کو ہلاک کردوں۔ آپ ﷺ نے اس موقع پر فالِ نیک لیتے ہوئے فرمایا:

بَلْ أَرْجُوْ أَنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَايُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا۔ ''بل کہ مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ ان کی نسل سے ایسے لوگوں کو پیدا فرمائے گا، جو ایک اللہ کی عبادت کرنے والے اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنے والے نہیں ہوں گے''۔ (بخاری: 3231)

طائف سے لوٹنے کے بعد مکہ میں داخل ہونا آپ ﷺ کے لیے بے انتہا دشوار تھا، کیوں کہ مکہ والے آپ ﷺ کو روکنے کے لیے کمر بستہ ہو چکے تھے، مگر آپ ﷺ نے مکہ میں داخل ہونے کا عزم مصمم کرلیا۔ اس موقع پر حضرت زیدؓ نے پوچھا: آپ مکہ میں کیسے داخل ہوں گے، جب کہ انھوں نے آپ کو باہر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

يَا زَيْدُ! إِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى جَاعِلٌ لِمَا تَرٰى فَرَجًا وَّمَخْرَجًا وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ نَاصِرٌ دِيْنَهُ وَمُظْهِرٌ نَبِيَّهُ۔ (الطبقات لابن سعد: 1/212) ''اے زید! تم جو تنگی اور دشواری دیکھ رہے ہو، اللہ تعالیٰ ضرور کشادگی اور اس سے نکلنے کا راستہ آسان کردے گا اور وہ ضرور اپنے دین کو غلبہ عطا کرے گا اور اپنے نبی کی مدد فرمائے گا''۔

سنہ ۶ ہجری میں جب قریش نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تو دونوں کے درمیان صلح کی بات چیت ہونے لگی۔ مکہ کی جانب سے کئی سردار آئے مگر مسئلہ حل نہیں ہوسکا۔ جب آپ ﷺ نے مکہ والوں کی جانب سے سہیل بن عمرو کو آتے ہوئے دیکھا تو ان سے فالِ نیک لیتے ہوئے فرمایا:

لَقَدْ سَهُلَ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ ۔ ''اب تمھارا معاملہ آسان ہوجائے گا''۔ (بخاری: 2731) کیوں کہ سہیل کے معنی آسانی کے ہیں۔

۳۔ جنگوں میں: خیبر کے یہودیوں نے عہد شکنی کی تو رسول اکرم ﷺ نے ان پر لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ جب آپ ﷺ ان کے علاقے میں پہنچے تو انھیں اپنے کدال اور کلہاڑیوں کو لے کر گھروں سے نکلتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ نے فالِ نیک لیتے ہوئے فرمایا:

خَـرِبَـتْ خَيْبَـرُ ـ اِنَّـا اِذَا نَـزَلْـنَـا بِسَـاحَةِ قَوْمٍ فَسَـاءَ صَبَـاحُ الْمُنْذَرِيْنَ. (بخاری، کتاب الاذان: 110) ''اہلِ خیبر ہلاک ہوگئے، کیوں کہ جب ہم کسی قوم کے علاقے میں اترتے ہیں تو ایسے ڈرائے جانے والی قوم کی صبح بری ہوتی ہے''۔

علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

جَـوَازُ التَّـفَاءُ لِ بَلْ اسْتِحْبَابُهُ بِمَا يَرَاهُ أَوْ يَسْمَعُهُ مِمَّا هُوَ مِنْ أَسْبَابِ ظُهُوْرِ الْاِسْلَامِ وَاِعْلَامِهٖ كَمَا تَفَا ءَ لَ النَّبِيُّ ﷺ بِرُءْيَةِ الْمَسَاحِيْ وَ الْفُؤُوْسِ وَالْمَكَاتِلِ مَـعَ أَهْلِ خَيْبَرَ فَاِنَّ ذٰلِكَ فَأْلٌ فِيْ خَرَابِهَا ـ (زادالمعاد: 3/305) ''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غلبۂ اسلام کے اسباب اور نشانیوں کو دیکھنے یا سننے کے بعد ان سے فالِ نیک لینا جائز ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے کدال، کلہاڑی اور ہتھوڑے وغیرہ کو اہلِ خیبر کے پاس دیکھ کر فالِ نیک لیا کہ یہ اسباب اور اوزار ان کی ہلاکت پر دلالت کرتے ہیں''۔

رسول اکرم ﷺ جنگ کے موقع پر ایک شعار اور علامت مقرر کرتے تھے، تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکیں۔ امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اسلامی فوج کا شعار کبھی ''أَمِتْ، أَمِتْ ـ (موت کے گھاٹ اتاردو)، کبھی ''حٰـم ... لَا يُنْـصَرُوْنَ ''۔ (ان دشمنوں کی مدد نہیں کی جائے گی) اور کبھی ''يَـا مَنْصُوْرُ'' (اے وہ شخص جس کی مدد کی گئی) ہوتا''۔ (زادالمعاد: 3/99)

رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنْ بُيِّتُّمْ فَلْيَكُنْ شِعَارُكُمْ حٰم ... لَا يُنْصَرُوْنَ ـ (ابوداؤد: کتاب الجهاد، باب فی الرجل ینادی بالشعار) ''جب تم دشمن کے علاقے میں رات گزارو تو تمھارا شعار ''حٰـم ... لَا يُنْصَرُوْنَ'' ہونا چاہیے''۔

امام شوکانیؒ فرماتے ہیں:

هٰـذَا الـلَّـفْـظُ فِيْـهِ التَّـفَاءُ لُ بِعَدَمِ انْتِصَارِ الْخَصَمِ مَعَ حُصُوْلِ الْغَرَضِ بِـالشِّـعَـارِوَهُوَالْعَلَامَةُ فِي الْحَرْبِ ''حٰـم ... لَا يُنْصَرُوْنَ '' (نیل الاوطار: ۷/۲۸۷) ''اس لفظ کے ذریعے فالِ نیک لیا جاتا ہے کہ دشمنوں کی مدد نہیں کی جائے گی۔ ساتھ ہی یہ لفظ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کا شعار ہے، جس کے ذریعے وہ

ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں‘‘۔

غرض معاملہ خوشی کا ہو یا غم کا، تنگ دستی کا ہو یا خوش حالی کا، سفر کا ہو یا حضر کا، جنگ کا ہو یا امن کا، ہر معاملے میں آپ ﷺ فالِ نیک لیا کرتے تھے۔ گویا یہ آپ کی عملی زندگی کے معمولات میں سے تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی یہ سنت صحابہ کرامؓ کی عملی زندگی میں داخل ہوگئی تھی۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو بنوعمرو بن عوف کے قبیلے میں چودہ دن قیام فرمایا۔ یہ مدینہ کا بالائی حصہ تھا۔ بعض صحابہؓ نے اس سے نیک فال لیتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ کی دعوت اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین کو بھی عروج اور بلندی نصیب ہوگی۔ (فتح الباری: 7/266)

غزوۂ خندق کے موقع پر حالات بہت ہی پر خطر تھے۔ قبائلِ عرب میں سے قریش، غطفان، بنواسد، بنوسلیم اور بنومرہ اور بنوقینقاع اور بنونضیر یہودی قبائل وغیرہ ایک بڑی جماعت کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اندرونِ مدینہ بنوقریظہ نے عہد شکنی کی تھی اور منافقین میدانِ جنگ چھوڑ کر اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلمان تعداد کی قلت، اسلحہ کی کمی اور فقر وفاقہ میں مبتلا تھے۔ اس وقت جو حالات تھے، ان کا نقشہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کھینچا ہے:

> اِذْ جَاءُوْكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا۔ (الاحزاب: ۱۰) ’’جب دشمن اوپر سے اور نیچے سے تم پر چڑھ آئے، جب خوف کے مارے آنکھیں پتھرا گئیں، کلیجے منہ کو آ گئے، اور تم لوگ اللہ کے بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے لگے‘‘۔

ان سنگین حالات سے فالِ نیک لیتے ہوئے صحابہ کرامؓ پکار اٹھے:

> هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا۔ (الأحزاب: ۲۲) ’’یہ وہی چیز ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا، اللہ اور اس کے رسول کی بات بالکل سچی تھی‘‘۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول اکرم ﷺ کی اس سنت کو زندہ کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ○○○

محاسبۂ نفس

یہ دنیا آخرت کی تیاری کا وقفہ ہے۔قیامت کے دن ہر انسان کو اپنی زندگی کا پورا پورا حساب دینا ہوگا۔اللہ تعالیٰ پورے انصاف کے ساتھ حساب لے گا۔کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔فرمایا:

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ (الأنبیاء:۴۷)''اور ہم قیامت کے دن درمیان میں لا رکھیں گے ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو کو۔پھر کسی پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لا حاضر کریں گے،اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے''۔

انسان کے سارے اعمال ایک کتاب میں محفوظ کیے جا رہے ہیں،جس کو ہم ''نامۂ اعمال'' کہتے ہیں۔قیامت کے دن ہر انسان کو اس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا اور کہا جائے گا:

اقْرَأْ كَتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا (بنی اسرائیل:۱۴)''لو!خود ہی اپنی کتاب آپ پڑھ لو۔آج تو تم آپ ہی اپنا خود حساب لینے کو کافی ہو''۔

جس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا،اس کا حساب آسان ہوگا۔فرمایا گیا:

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ.فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيراً (الانشقاق:۸،۷)''تو (اس وقت) جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا،اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا''۔

اور جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا،وہ افسوس کرتے ہوئے کہے گا:

يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهُ.وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيَهُ (الحاقہ:۲۵)''کاش!موت میرا کام ہی تمام کر دیتی،اور میں نہیں جانتا کہ حساب کیا ہے''۔

ہر انسان کو چاہیے کہ قیامت کے حساب سے پہلے اس دنیا میں اپنا محاسبہ کرتا رہے اور جائزہ لیتا رہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (الحشر:۱۸)''اے ایمان والو!اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل

(قیامت) کے واسطے اس نے (اعمال کا) کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے۔اور (ہروقت) اللہ سے ڈرتے رہو۔اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے''۔

محاسبہ اور جائزہ کسی بھی کام کی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ترقی یافتہ افراد اور قومیں ہمیشہ اپنا محاسبہ کرتی رہتی ہیں۔ایک تاجر اس وقت تک کامیاب تاجر نہیں بن سکتا جب تک کہ ہر دن اپنی تجارت کا جائزہ نہ لے۔کامیاب تاجر فائدے کے اسباب پر غور کرتا ہے اوران کو مزید ترقی دینے کے لیے فکرمند رہتا ہے۔نقصان پہنچانے والے اسباب کا جائزہ لیتا ہے اوران سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔یہی حال ایک کامیاب طالب علم اور ہر کامیاب انسان کا ہے۔

محاسبہ کی اہمیت: آخرت کی کامیابی کے لیے بھی ضروری ہے کہ باربار جائزہ لیا جاتا رہے۔ حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں:

حَاسِبُوۡا اَنۡفُسَکُمۡ قَبۡلَ اَنۡ تُحَاسَبُوۡا وَزِنُوۡا أَعۡمَالَکُمۡ قَبۡلَ أَنۡ تُوۡزَنُوۡا وَتَهَيَّأُوۡا لِلۡعَرۡضِ الۡاَکۡبَرِ : يَوۡمَئِذٍ تُعۡرَضُوۡنَ لَا تَخۡفٰی مِنۡكُمۡ خَافِيَةً ۔(اغاثۃ اللھفان لابن القیم:۹۵)''اپنا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ (اللہ کی عدالت میں) تمھارا محاسبہ کیا جائے۔اپنے اعمال کا وزن کرلو قبل اس کے کہ تمھارے اعمال (قیامت کے دن ترازو میں) وزن کیے جائیں۔آخری پیشی کے لیے تیار ہوجاؤ۔پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: جس دن تم پیش کیے جاؤ گے،تمھاری کوئی چیز مخفی نہیں ہوگی''۔

حضرت میمون بن مہران فرماتے ہیں:

لَايَكُوۡنُ الۡعَبۡدُ تَقِيًّا حَتّٰی يَكُوۡنَ لِنَفۡسِهٖ أَشَدَّ مُحَاسَبَةً مِنَ الشَّرِيۡكِ لِشَرِيۡكِهٖ ۔(ایضًا)
''کوئی بھی انسان اس وقت تک متقی نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اپنے نفس کا ویسا ہی محاسبہ کرے جیسے ایک تاجر اپنے شریک اور پارٹنر کا کرتا ہے''۔

فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں:

مَنۡ حَاسَبَ نَفۡسَهٗ قَبۡلَ أَنۡ يُحَاسَبَ خُفَّ فِي الۡقِيَامَةِ حِسَابُهٗ ۔''جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اس کا محاسبہ کیے جانے سے پہلے تو قیامت کے دن اس کا حساب آسان ہوگا''۔(ایضًا)

امام غزالیؒ فرماتے ہیں:

اِنَّ الۡعَبۡدَ لَايَزَالُ بِخَيۡرٍ مَاكَانَ لَهٗ وَاعِظٌ مِنۡ نَفۡسِهٖ وَكَانَتِ الۡمُحَاسَبَةُ مِنۡ هِمَّتِهٖ ۔(محاسبۃ

النفس لابن ابی الدنیا:۳۴)''بندہ اس وقت تک بھلائی میں رہے گا جب تک اس کے نفس میں ایک واعظ ہو (جو اس کو برائی سے روکتا رہے) اور محاسبہ اور جائزہ اس کے ارادہ اور منصوبہ میں شامل ہو''۔

اسلاف کرامؒ اور محاسبہ : محاسبہ ہمیشہ ہوتے رہنا چاہیے۔ دینی معاملات میں محاسبہ دین داری کی علامت ہے۔ حضراتِ صحابہ کرامؓ ہمیشہ اپنا جائزہ لیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکرؓ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوے۔ پرندے کو ایک درخت سے دوسرے درخت پر اڑتے، چہچہاتے ہوے دیکھا تو فرمایا: اے پرندے! تو کتنا خوش نصیب ہے۔ جو چاہے کھاتا پیتا ہے اور کوئی حساب کتاب نہیں۔ کاش! میں کسی مومن بندے کے جسم کا بال ہوتا (تا کہ حساب کتاب سے بچ جاتا)''۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ انھوں نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کو دیکھا جو اپنے نفس کو خطاب کر کے یہ جملہ بار بار دہرا رہے تھے:

لَتَتَّقِيَنَّ اللّٰهُ اَوْ لَيُحَاسِبَنَّكَ اللّٰهُ وَيُكَرِّرُهَا۔''اللہ سے ڈرو، ورنہ وہ تیرا محاسبہ کرے گا''۔(ایضا:۳۵)

حضرت عائشہ سے کسی نے سورۂ فاطر کی اس آیت: (ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا) کے بارے میں دریافت کیا: ''وہ فرماتی ہیں کہ خیر کے کاموں میں سبقت کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں گزر گئے، جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے جنت کی خوش خبری دی۔ میانہ روی اختیار کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں، جو صحابہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوے ان سے جا ملے۔ اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں سے مراد مجھ جیسے اور تم جیسے لوگ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ جب کسی نماز کی جماعت فوت ہو جاتی، آپؓ اس کی تلافی کے طور پر پوری رات تہجد میں گزار دیتے۔

حضرت حنظلہؓ ایک دن پریشانی کے عالم میں گھر سے نکلے۔ راستے میں حضرت ابوبکرؓ سے ملاقات ہوی۔ حضرت ابوبکرؓ نے خیریت دریافت کی تو کہنے لگے: ''حنظلہؓ منافق ہو گیا''۔ ابوبکرؓ نے کہا: یہ کیا کہہ رہے ہو؟ انھوں نے کہا: جب ہم رسول اکرم ﷺ کی مجلس میں ہوتے ہیں، اور آپ ﷺ کی باتوں کو سنتے ہیں تو ہمارے ایمان کی عجیب کیفیت ہوتی ہے، مگر جب ہم اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں اور بیوی بچوں میں اور کاروبار میں لگ جاتے ہیں تو اس ایمانی کیفیت میں کمی آجاتی ہے اور آخرت سے غفلت کا شکار

ہو جاتے ہیں۔ یہ جو دُہری کیفیت ہے، اس لیے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں منافق ہو گیا ہوں۔ ابو بکرؓ نے کہا کہ میرا بھی تو یہی حال ہے۔ دونوں مل کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اپنا حال سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْتَدُوْمُوْنَ عَلٰی مَا تَکُوْنُوْنَ عِنْدِیْ وَفِی الذِّکْرِ لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلَائِکَةُ عَلٰی فُرُشِکُمْ وَفِیْ طُرُقِکُمْ وَلٰکِنْ یَاحَنْظَلَةُ! سَاعَةً وَسَاعَةً ۔(مسلم: باب فضل دوام الذکر والفکر فی أمور الآخرة: 7143)''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تمھاری حالت ہمیشہ وہی رہے جو میرے پاس موجود رہنے کے وقت ہوتی ہے اور ہمیشہ ذکر میں مشغول رہو تو فرشتے راستوں میں اور بستروں میں تم سے ملاقات کرنے لگ جائیں، مگر اے حنظلہؓ! یہ کیفیت ہمیشہ نہیں رہ سکتی''۔

یعنی آپ ﷺ نے انھیں اطمینان دلایا کہ تم سچے مومن ہو۔ اپنے ایمان کے معاملے میں شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

صحابہ کرامؓ کے محاسبے کا یہ حال تھا کہ اپنی معمولی لغزشوں کی وجہ سے اپنے آپ پر نفاق کا اندیشہ ظاہر کرتے تھے۔ ابن ابی ملیکہؒ فرماتے ہیں:

أَدْرَکْتُ ثَلَاثِیْنَ مِنْ أَصْحَابِ الرَّسُوْلِ کُلُّهُمْ یَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰی نَفْسِهٖ ۔(بخاری معلقا: باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله وهو لا یشعر:)''میں نے تقریباً تیس صحابہ کرامؓ سے ملاقات کی۔ سب اپنے بارے میں اس بات کا خدشہ ظاہر کرتے تھے کہ کہیں وہ نفاق میں مبتلا نہ ہو گئے ہوں''۔

حضرت یونس بن عبیدؒ فرماتے ہیں:

اِنِّیْ لَاَجِدُ مِائَةَ خَصْلَةٍ مِنْ خِصَالِ الْخَیْرِمَا أَعْلَمُ أَنَّ فِیْ نَفْسِیْ مِنْهَا وَاحِدَةً ۔''میں خیر کی سو خصلتیں جانتا ہوں مگر میں ان میں کوئی ایک بھی اپنے اندر نہیں پاتا ہوں''۔

حضرت محمد بن واسعؒ فرماتے ہیں:

لَوْکَانَ لِلذُّنُوْبِ رِیْحٌ مَا قَدَرَ اَحَدٌ اَنْ یُجَالِسَنِیْ ۔''اگر گناہوں کی بدبُو ہوتی تو کوئی بھی میرے قریب بیٹھ نہیں سکتا''۔

جائزہ، عمل شروع کرنے سے پہلے ہو : آغازِ عمل سے پہلے تین پہلوؤں سے جائزہ لینا چاہیے۔

۱۔سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ جو کام شروع کیا جا رہا ہے، وہ نیک ہے یا بد۔اس میں دین اور دنیا کا فائدہ ہے یا نہیں ۔اگر نیک ہو اور اس میں فائدہ ہو تو آگے بڑھنا چاہیے، ورنہ اس کو ترک کر دینا چاہیے۔

۲۔اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ جو عمل شروع کیا جا رہا ہے ،اس کی استطاعت ہے یا نہیں ۔بعض لوگ شوق اور جذبے میں آ کر کوئی کام شروع کر دیتے ہیں،مگر کچھ ہی دنوں کے بعد اس کو ترک کر دیتے ہیں۔اسلام ہر اس عمل سے روکتا ہے جو انسان کی استطاعت میں نہ ہو۔بعض صحابہ نے جب اپنی طاقت سے بڑھ کر عمل کرنا چاہا تو آپ ﷺ نے انھیں روک دیا۔آپ ﷺ نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِمَا تُطِيْقُوْنَ (بخاری) ''تم اتنا ہی عمل کرو، جتنے کی تم استطاعت رکھتے ہو''۔

۳۔اس پہلو پر بھی غور کرنا چاہیے کہ یہ نیکی کس کے لیے انجام دی جا رہی ہے۔اگر اللہ کے لیے انجام دی جا رہی ہو اور اس سے رضائے الٰہی مقصود ہو تو اس کو انجام دیں اور اگر مقصد ریا کاری، شہرت اور لوگوں کو خوش کرنا ہو تو اپنی نیت کی اصلاح کر لیں۔حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا وَقَفَ عِنْدَ هَمِّهٖ وَاِرَادَتِهٖ وَاِنْ كَانَ لِلّٰهِ مَضٰى وَاِنْ كَانَ لِغَيْرِ اللّٰهِ تَأَخَّرَ۔ (اغاثۃ:۸۱/۱) ''اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم کرے جو کسی کام کے ارادے کے وقت ٹھہر کر غور کرتا ہے۔اگر وہ اللہ کے لیے ہو تو کر گزرتا ہے اور اگر اس میں اللہ کی رضا نہ ہو تو رک جاتا ہے''۔

محاسبہ عمل شروع کرنے کے بعد بھی ہو : عمل شروع کرنے بعد بھی جائزہ لینا چاہیے کہ عمل میں کہاں کوتاہی ہوئی اور کہاں کمی رہ گئی۔کوتاہی کو کیسے دور کیا جائے اور عمل کو مزید کیسے بہتر بنایا جائے؟ یہی اللہ کے نیک بندوں کا حال ہے۔حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ کے بڑے نیک اور شکر گزار بندے تھے۔جہاد کے لیے عمدہ گھوڑے پال رکھے تھے۔ایک مرتبہ وہ ان کا معاینہ کر رہے تھے۔اس میں اتنا وقت صرف ہو گیا کہ ان کا شام کا مخصوص وظیفہ یا عصر کی نماز چھوٹ گئی۔انھیں اس کا بڑا صدمہ ہوا۔کہنے لگے:

اِنِّىْٓ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّىْ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ (ص:۳۲) ''میں نے

اپنے رب کی یاد پر ان گھوڑوں کی محبت کو ترجیح دی، یہاں تک کہ (آفتاب) چھپ گیا''۔
انھوں نے گھوڑوں کو دوبارہ حاضر کرنے کا حکم دیا اور انھیں اللہ کی راہ میں ذبح کر دیا۔ (سورۂ ص:۳۳)

محاسبہ کا اصل مقصد نیکیوں میں ہونے والی کوتاہی کی تلافی کرنا اور گناہوں سے باز رہنا ہے۔ اسلاف کرامؒ کا معمول تھا کہ محاسبہ کرنے کے بعد وہ نیکیوں کی تلافی اور گناہوں کے تدارک کی صورتیں اپناتے۔ حضرت عمر بن خطابؓ کسی کام سے باغ میں داخل ہوے۔ کام سے فارغ ہو کر جب واپس ہوے تو عصر کی نماز ختم ہو چکی تھی۔ انھیں اس کا اس قدر افسوس ہوا کہ کہنے لگے: حَائِطِیُ صَدَقَةٌ عَلَی الْمَسَاكِيُنِ۔ ''میں اپنا یہ باغ فقرا اور مساکین کے لیے صدقہ کرتا ہوں''۔

حضرت عبداللہ بن وھبؒ فرماتے ہیں:

أَخَذُتُ عَلٰی نَفُسِیُ كُلَّمَا اغُتَبُتُ إِنُسَانًا أَنُ أَصُوُمَ يَوُمًا وَّاحِدًا۔ ''میں نے اپنے نفس سے اس بات پر معاہدہ کیا کہ جب کبھی میں کسی کی غیبت کروں تو اس کے بدلے ایک روزہ رکھوں گا''۔

بعض اعمال ایسے ہیں جن کی تلافی دوسرے اعمال سے ہو سکتی ہے۔ مثلاً: فرائض میں کمی کی تلافی نوافل کے ذریعے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سب سے پہلے فرائض کا محاسبہ کیا جائے گا۔ اگر وہ درست رہیں تو وہ کامیاب ہوگا۔ اگر اس میں بگاڑ رہا تو وہ ناکام ہوگا۔ اور اگر اس میں کمی رہ گئی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہے گا کہ میرے اس بندے کے اعمال میں دیکھو کہ کیا کچھ نوافل ہیں۔ اگر نوافل ہوں تو ان کے ذریعے فرائض کی تلافی کی جائے گی''۔ (ابوداؤد)

گناہوں کی تلافی نیکیوں سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذُهِبُنَ السَّيِّئَاتِ (ہود:۱۱۴) ''بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹاتی ہیں''۔

عبادات میں کمی اور گناہوں کی تلافی کا اہم ذریعہ استغفار ہے: کئی عبادتوں کے بعد استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ گویا عبادتوں میں ہونے والی کمی کی تلافی کی ایک صورت استغفار ہے۔ فرض نمازوں کے بعد تین مرتبہ ''استغفر اللہ'' کہنا رسول اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ اسی طرح دورانِ حج کثرت سے استغفار کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اگر مومن بندے سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو گناہ کے فوراً بعد استغفار کرنے کی تعلیم دی گئی

ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیۡنَ إِذَا فَعَلُواْ فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُواْ أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُواْ اللّهَ فَاسْتَغْفَرُواْ لِذُنُوبِهِمْ ۔(آل عمران:۱۳۵)''اور جب ان سے کوئی ناشائستہ کام ہوجائے یا کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں سے مغفرت طلب کرتے ہیں''۔

غرض محاسبہ اور جائزہ ایک مومن کو غفلت سے بچاتا ہے۔اپنے عیوب سے آگاہ ہو کر اس سے باز رہنے اور نیکیوں میں آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے ۔بندۂ مومن کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنا جائزہ لیتا رہے اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ✦✦✦

شفاعت رسول ﷺ

انسان کا نیک عمل ہی سب کچھ نہیں ہے۔کوئی بھی مسلمان محض اپنے حسنِ عمل کی بنیاد پر نہ جہنم سے بچ سکتا ہے اور نہ جنت میں داخل ہوسکتا ہے۔جہنم سے نجات پانے اور جنت کا مستحق بننے کے لیے نیک عمل کے ساتھ ساتھ اللہ کی رحمت اور فضل وکرم ضروری ہے۔حضرت سلیمانؑ دعا کرتے ہیں :

رَبِّ أَوْزِعْنِيْ أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ ۔(النمل:19)''اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو دی ہیں،اور ایسا نیک عمل کروں جسے تو پسند کرے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما''۔

ایک موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لَنْ يُّنْجِيَ أَحَدًا مِّنْكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ ۔تم سے کوئی آدمی اپنے عمل کی بنیاد پر جنت میں داخل نہیں ہوسکتا۔صحابہ نے پوچھا:اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ بھی؟ آپؐ نے فرمایا:''ہاں! میں بھی۔جب تک کہ اللہ کا فضل وکرم میرے شاملِ حال نہ ہو'':وَلَاأَنَا۔اِلَّاأَنْ يَّتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۔ (بخاری:باب القصد والمداومة علی العمل)

اس سلسلے کی ایک اور چیز شفاعت اور سفارش ہے۔اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے کچھ نیک بندوں کو گناہ گار بندوں کے حق میں سفارش کی اجازت دے گا،اور ان کی سفارش پر ان گناہ گاروں کو جنت میں داخل فرمائے گا۔

شفاعت کا غیر اسلامی تصور : شفاعت کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں یہ غلط تصور پایا جاتا ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جن کا اللہ کے دربار میں اونچا مقام ہے۔اللہ ان کی ہر بات سنتا ہے۔ اگر وہ اللہ کے دربار میں ہماری سفارش کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی سفارش رد نہیں کرے گا۔ان کی سفارش پر ہمارے گناہوں کو معاف فرما کر جنت میں داخل فرمادے گا۔

مکہ کے مشرکین اپنے معبودانِ باطلہ کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے اور اسی عقیدے کی بناپر ان کو خوش کرنے کے لیے ان کی عبادت کرتے تھے۔سورۂ یونس میں ارشاد ہے:جیسا کہ ارشاد ہے

:مَـا نَـعْبُـدُهُـمْ اِلَّا لِيُـقَـرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ـ(الزمر:3)دوسری جگہ ارشاد ہے:وَیَـقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَاءَ نَا عِنْدَاللّٰهِ۔(یونس:18)

شفاعت کے اسی غلط تصور نے مسلمانوں کے عقیدے کو بھی بگاڑ دیا۔آج کئی مسلمان ایسے ہیں جواللہ کوخوش کرنے کی بجائے اپنے خودساختہ شفعاء کوخوش کرنے کے لیےان کی نذرونیاز کرتے ہیں، ان کے آگے سجدہ کرتے ہیں اوراللہ کی عبادت میں ان کوشریک کرتے ہیں۔ان کے انتقال کے بعدان کی قبروں پرجا کروہ سارے اعمال انجام دیتے ہیں جوصرف اللہ کے لیے جائز ہیں۔

قرآن مجید میں شفاعت کے اس غلط تصور کی بار بارتردید کی گئی ہے،سورۂ زمر میں ارشاد ہے:أَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاءَ۔(الزمر:43)''کیاانھوں نے اللہ کے سواکوسفارشی بنارکھاہے''۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا:وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَّلَایُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُـؤْخَـذُ مِـنْهَا عَدْلٌ وَّلَاهُمْ يُنْصَرُوْنَ ـ(البقرۃ:48)''اوراس دن سےڈروجب کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا،اورنہ کسی کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اورنہ ہی کوئی معاوضہ لیاجائے گااورنہ ان کی مدد کی جائے گی''۔

شفاعت کااسلامی تصور : تمام اختیارات کاحقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔اسی طرح قیامت کے دن کسی کومعاف کرنے اورنہ کرنے کااختیار بھی صرف اسی کوحاصل ہے۔جب وہی مختارکل ہےتو پھر شفاعت کا مقصد کیاہے؟شفاعت دراصل اللہ کے نیک بندوں کے لیے ایک اعزاز ہے ۔جن گنہگاروں کواللہ تعالیٰ معاف کرنے کا فیصلہ کرچکاہوگا،انھیں ازخودمعاف کرنے کی بجائے اپنے محبوب اورمقرب بندوں کویہ اعزازعطافرمائیں گے کہ وہ ان کے لیے سفارش کریں اورانھیں جہنم سے نکال کرجنت میں لے جائیں۔

جن کو شفاعت کاموقع دیاجائے گا ،ان میں فرشتے،انبیاے کرام،اورنیک لوگ ہوں گے۔رسول اکرم ﷺ کاارشاد ہے:شَـفَـعَـتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔''فرشتے ،انبیاءاورمومن سفارش کریں گے''۔(مسلم:باب معرفۃ طریق الرؤیۃ)

یہ سب اسی وقت شفاعت کریں گے جب اللہ تعالیٰ انھیں شفاعت کی اجازت دے۔اللہ کی اجازت کے بغیرکوئی شفاعت نہیں کرسکتاہے۔وَلَاتَـنْـفَـعُ الشَّـفَـاعَةُ عِـنْـدَهُ اِلَّا لِـمَـنْ أَذِنَ لَـهُ ـ

(سبا:23)''سفارش اس کے پاس کچھ نفع نہیں دے گی بجز ان کے جن کے لیے اجازت ہو جائے''۔

یہ لوگ جس کی چاہے سفارش نہیں کرسکتے۔انھیں کے حق میں سفارش کریں گے،جن کے حق میں سفارش کی اللہ اجازت دے۔فرمایا گیا:وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی۔(الانبیاء:28)''وہ (فرشتے)صرف انھی کی سفارش کریں گے جن کے لیے اللہ (سفارش) کو پسند کرے گا''۔

سفارش کرنے والوں میں رسول اکرم ﷺ کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہوگی جو کسی اور کو حاصل نہیں ہوگی۔ رسول اکرم ﷺ کو مختلف شفاعتوں کا اختیار دیا جائے گا۔آپ جو شفاعت کریں گے،ان کی تفصیل یہ ہے :

ا۔شفاعتِ عظمیٰ : یہ وہ شفاعت ہے جس کا حق صرف محمد ﷺ کو دیا جائے گا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ گناہ گار بندے قیامت کے دن حشر کے میدان میں پریشانی کے عالم میں ہوں گے۔ہر نبی کے پاس پہنچیں گے اور درخواست کریں گے کہ اللہ کے دربار میں سفارش کیجیے کہ وہ ہمیں اس دن کی پریشانی سے نجات دے مگر سب سفارش کرنے سے معذرت کردیں گے۔سب سے آخر میں رسول اکرم ﷺ کے پاس پہنچیں گے اور آپ ﷺ سے سفارش کی درخواست کریں گے۔اللہ کے رسول ﷺ ان کے حق میں سفارش کریں گے۔اسی کو''شفاعتِ عظمیٰ'' کہا جاتا ہے۔

اسی کو بعض روایتوں میں مقامِ محمود بھی کہا گیا ہے۔اَلْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ :هِیَ شَفَاعَتُهُ الْکُبْرٰی یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔''مقامِ محمود قیامت کے دن آپ کی شفاعتِ کبری کو کہا جاتا ہے''۔(ظلال الجنۃ،السلسلۃ الصحیحۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ کسی نے آپ سے مقامِ محمود کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:اس سے مراد مقامِ شفاعت ہے۔(ترمذی:ابواب التفسیر)اس وقت سب لوگوں کی زبان پر آپ کی حمد وستائش جاری ہو جائے گی۔

حضرت ابوھریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:أَنَا أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ فَأُكْسٰى حُلَّةً مِّنْ حُلَلِ الْخَلَائِقِ يَقُوْمُ ذٰلِكَ الْمَقَامَ غَيْرِیْ۔''میں ہی سب سے پہلا شخص ہوں جس سے زمین (یعنی قبر)شق ہوگی ،پھر مجھے ہی جنت کے جوڑوں میں سے ایک جوڑا پہنایا جائے گا، پھر میں عرش کے دائیں جانب کھڑا ہوں گا۔اس مقام پر ساری مخلوقات میں سے

میرے سوا کوئی نہیں کھڑا ہوگا''۔(ترمذی: کتاب المناقب: باب فی فضل النبی ﷺ: 3611)

اسی مقام پر فائز ہوکر آپ تمام کے حق میں سفارش کریں گے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: اِنَّ النَّاسَ یَصِیرُونَ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ جُثًا۔ کُلُّ اُمَّةٍ تَتۡبَعُ نَبِیَّهَا یَقُوۡلُوۡنَ : یَا فُلَانُ اشۡفَعۡ ،حَتّٰی تَنۡتَهِیَ الشَّفَاعَةُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَذٰلِكَ یَوۡمٌ یَبۡعَثُهُ اللّٰهُ الۡمَقَامَ الۡمَحۡمُوۡدَ۔''قیامت کے دن لوگ گروہ در گروہ اپنے نبی کے پیچھے چلیں گے اور عرض کریں گے :اے فلاں !ہماری شفاعت فرمائیے،اے فلاں ہماری شفاعت فرمائیے۔یہاں تک کہ طلبِ شفاعت کا سلسلہ آپ پر ختم ہوگا یہی وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائیں گے''۔(بخاری: کتاب التفسیر: باب قولہ عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا: 4441)

اس مقام پر پہنچ کر آپ اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے اور انھیں اس دن کی پریشانی سے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے،رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الشَّمۡسَ تَدۡنُوۡ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ حَتّٰی یَبۡلُغَ الۡعَرَقُ نِصۡفَ الۡاُذُنِ فَبَیۡنَهُمۡ کَذٰلِكَ اسۡتَعَانُوۡا بِآدَمَ ثُمَّ بِمُوۡسٰی ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ وزاد عبدالله بن صالح حدثنی اللیث قال حدثنی ابن ابی جعفر فَیَشۡفَعُ لِیُقۡضٰی بَیۡنَ الۡخَلۡقِ فَیَمۡشِیۡ حَتّٰی یَاخُذَ بِحَلَقَةِ الۡبَابِ فَیَوۡمَئِذٍ یَبۡعَثُهُ اللّٰهُ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا یَّحۡمَدُهُ اَهۡلُ الۡجَمۡعِ کُلُّهُمۡ۔''قیامت کے دن سورج (مخلوق کے) اتنا قریب ہوگا کہ (ان کا) پسینہ نصف کان تک پہنچ جائے گا۔وہ اس حال میں حضرت آدمؑ سے مدد طلب کریں گے، پھر حضرت موسیٰؑ سے، پھر حضرت محمد ﷺ سے مدد طلب کرنے جائیں گے۔حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن جعفر نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ مجھ سے لیث نے بیان کیا کہ ان سے ابن جعفر نے بیان کیا: آپ شفاعت کریں گے کہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔آپ جائیں گے یہاں تک کہ جنت کے دروازے کا کنڈا پکڑ لیں گے۔ یہ وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا اور سارے اہلِ محشر رسول اکرم ﷺ کی تعریف کریں گے''۔(بخاری: کتاب الزکاۃ: باب من سأل الناس تکثرا: 1405)

۲۔دخول جنت کے لیے سفارش: جنتیوں کے حق میں جب جنت کا فیصلہ کیا جائے گا تو وہ اس وقت جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ اللہ کے رسول ﷺ ان کے حق میں سفارش نہ کریں

گے۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں،اللہ کے رسول ﷺ کاارشاد ہے:آتِـیْ بَـابَ الْـجَـنَّةِ یَوْمَ الْقِیَـامَةِ فَـأَسْتَـفْتِـحُ فَیَـقُـوْلُ الْـخَـازِنُ مَـنْ أَنْـتَ؟فَأَقُوْلُ :مُحَمَّدٌ۔فَیَقُوْلُ : بِكَ أُمِرْتُ لَا أَفْتَحُ لِأَحَدٍ قَبْـــلَكَ ۔(مسلم:باب قول النبی ﷺ أنا أول الناس یشفع فی الجنۃ..)’’قیامت کے دن میں (سب سے پہلے)جنت کے دروازے پر پہنچوں گا اور جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔جنت کا داروغہ پوچھے گا:کون ہو؟میں جواب دوں گا:محمد۔داروغہ کہے گا: مجھے حکم دیا گیا تھا کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے دروازہ نہ کھولوں‘‘۔

۳۔بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہونے والوں کے حق میں سفارش:جب اللہ کے رسول ﷺ سجدے میں گر کر دیر تک اللہ کی حمد وثنا بیان کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا:یَـامُـحَـمَّدُ!اِرْفَعْ رَأْسَكَ سَـلْ تُـعْـطَـهُ اشْـفَـعْ تُشَـفَّعْ ۔’’اے محمد!اپنا سر اٹھاؤ،مانگو،آپ کی مراد پوری کی جائے گی ۔سفارش کرو،قبول کی جائے گی۔چنانچہ میں سر اٹھاؤں گا اور عرض کروں گا:اے میرے رب!میری امت،میری امت‘‘۔کہا جائے گا:أَدْخِلِ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَاحِسَابَ عَلَیْهِ مِنَ الْبَابِ الْأَیْمَنِ مِـنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِیْمَا سِوٰی ذٰلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ ۔’’اے محمد!اپنی امت میں سے ان لوگوں کو باب ایمن سے جنت میں داخل کرو جن پر کوئی حساب کتاب نہیں اور وہ باقی دروازوں سے بھی جنت میں داخل ہونے والوں کے ساتھ بھی شریک ہیں‘‘۔(مسلم:باب أدنی أھل الجنۃ منزلۃ فیھا)

۴۔رفع درجات کے لیے سفارش: کچھ لوگوں کو رسول اکرم ﷺ کی سفارش پر جنت کے نچلے درجات سے بلند درجات میں پہنچادیا جائے گا۔جب حضرت ابوسلمہؓ کا انتقال ہوا تو آپ نے ان کے حق میں یوں دعا کی:اَلـلّٰهُـمَّ اغْفِرْ لِأَبِیْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِی الْمَهْدِیِّیْنَ ۔’’اے اللہ!ابوسلمہ کی مغفرت فرما اور ہدایت یافتہ لوگوں میں ان کے درجات بلند فرما‘‘۔(مسلم:باب فی اغماض المیت والدعاء لہ اذا حضر)

۵۔اہل کبائر کے لیے سفارش: کچھ لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوں گے مگر بعد میں اللہ کے رسول کی سفارش سے انھیں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:اِنَّ شَفَـاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ

مِــنْ أُمَّتِــیْ ۔(ابن ماجۃ: کتاب الزھد: باب ذکر الشفاعۃ)''میری سفارش قیامت کے دن اپنی امت کے ان لوگوں کے حق میں ہوگی جو کبیرہ گناہوں کے مرتکب ہوں گے''

کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کو نبی کی سفارش پر مختلف مراحل میں جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔حضرت انس بن مالکؓ حدیثِ شفاعت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سجدے میں گر جائیں گے اور دیر تک اللہ کی حمد وثنا بیان کریں گے ۔اللہ تعالیٰ فرمائے گا:اے محمد!اپنا سر اٹھایئے۔مانگو،آپ کی مراد پوری کی جائے گی اور سفارش کرو،قبول کی جائے گی۔اللہ کے رسول ﷺ فرمائیں گے :اے میرے رب!میری امت ،میری امت۔کہا جائے گا:اِنْـطَـلِـقْ فَـأَخْـرِجْ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالَ شَعِیْرٍ مِنْ اِیْمَانٍ ۔''جاؤ۔اور جہنم سے ان لوگوں کو نکال لاؤ جن کے دل میں جو کے برابر ایمان ہے''۔میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا۔پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا اور انھی کلمات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کروں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا۔ارشاد ہوگا:اے محمد!اپنا سر اٹھایئے۔مانگو،آپ کی مراد پوری کی جائے گی اور سفارش کرو،قبول کی جائے گی۔میں کہوں گا:''اے میرے رب !میری امت ،میری امت''۔ارشاد ہوگا:''جاؤ۔ان لوگوں کو جہنم سے نکال لاؤ جن کے دل میں چیونٹی یا رائی کے برابر ایمان ہو''۔میں جاؤں گا اور ایسا ہی کروں گا۔پھر تیسری مرتبہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گا اور انھی کلماتِ حمد سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کروں گا اور سجدے میں گر جاؤں گا۔ارشاد ہوگا:اے محمد! اپنا سر اٹھایئے۔مانگو،آپ کی مراد پوری کی جائے گی اور سفارش کرو،قبول کی جائے گی۔میں عرض کروں گا:اے میرے رب!میری امت،میری امت''۔ارشاد ہوگا: جاؤ،جہنم سے ان لوگوں کو نکال لاؤ جن کے دل میں رائی کے دانے سے بھی کم ایمان ہو۔پھر میں ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال لاؤں گا''۔(بخاری:باب کلام الرب عزوجل یوم القیامۃ مع الأنبیاء وغیرھم)

٦۔مشرک چچا ابوطالب کے حق میں سفارش:رسول اکرم ﷺ اپنے مشرک چچا ابوطالب کے حق میں سفارش کریں گے۔آپ کی سفارش سے ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی۔حضرت عباسؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا:اے اللہ کے رسول ﷺ!کیا آپ نے ابوطالب کو بھی کچھ فائدہ پہنچایا۔کیوں کہ وہ تو آپ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کی خاطر لوگوں پر غضب ناک

ہوتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! وہ دوزخ کے اوپر کے حصے میں ہے اگر میں نہ ہوتا یعنی (اگر میری سفارش نہ ہوتی) تو وہ جہنم کے نچلے درجے میں ہوتے۔(بخاری: باب قصۃ ابی طالب)

صحابہ کرامؓ رسول اکرم ﷺ کی سفارش کا حق دار بننے کی تمنا کرتے اور اس کے لیے آپ سے دعا کی درخواست بھی کیا کرتے تھے۔حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! قیامت کے دن آپ میرے حق میں سفارش کیجیے۔آپ نے فرمایا کہ میں ضرور تمھارے حق میں سفارش کروں گا۔پھر انھوں نے کہا کہ میں آپ کو قیامت کے دن کہاں تلاش کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے تم پل صراط پر پاؤ گے۔انھوں نے کہا: اگر میں آپ کو وہاں نہ پاؤں تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہاں نہ پاؤ تو اعمال تولے جانے کی جگہ تلاش کرو۔انھوں نے پھر کہا: اگر وہاں بھی آپ سے ملاقات نہ ہوسکے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حوضِ کوثر پر تم مجھے پاؤ گے۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان تین میں سے کسی ایک جگہ تم مجھے ضرور پاؤ گے۔(ترمذی: باب شأن الصراط: 2433)

حضرت عوف بن مالک اشجعیؓ فرماتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: أَتَدْرُوْنَ مَا خَيَّرَنِيْ رَبِّي اللَّيْلَةَ ۔کیا تم جانتے ہو کہ آج رات اللہ تعالیٰ مجھے کن باتوں کا اختیار دیا۔ہم نے کہا: اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اس نے مجھے اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کی امت کے نصف لوگوں جنت میں داخل کردوں یا آپ چاہیں تو شفاعت کا اختیار دے دیا جائے۔آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے شفاعت کو اختیار کرلیا۔صحابہ نے عرض کیا: أُدْعُ اللّٰهَ أَنْ يَّجْعَلَنَا مِنْ أَهْلِهَا ۔اے اللہ کے رسول ﷺ! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی آپ کی شفاعت کا حق دار بنائے۔آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ہر مسلمان کے لیے ہوگی۔(ابن ماجہ: باب ذکر الشفاعۃ)

نبی کی سفارش کے مستحق لوگ : رسول اکرم ﷺ نے چند اعمال بتائے ہیں۔جو بھی ان اعمال کی پابندی کرے گا، وہ قیامت کے دن رسول کی شفاعت کا مستحق ہوگا۔

ا۔ایمان: نبی کی شفاعت کا حق دار ہر وہ شخص ہوگا جس نے کلمۂ توحید کا اقرار کیا ہو، اور اس کے تقاضوں کو پورا کیا ہو۔حضرت ابوھریرۃؓ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا: مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ؟ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے حق

دارکون ہوں گے؟ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:أَسْعَدُالنَّاسِ بِشَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مَنْ قَالَ لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہَ خَالِصًامِّنْ قَلْبِهٖ أَوْنَفْسِهٖ ۔''میری شفاعت کا حق دار ہر وہ شخص ہوگا جس نے خلوصِ دل کے ساتھ ''لا الہ الا اللہ'' کا اقرار کیا ہو''۔(بخاری: باب الحرص علی الحدیث)

۲۔نوافل کا اہتمام: نبی کریم ﷺ کے ایک خادم یا خادمہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ اکثر اپنے خادم سے پوچھا کرتے تھے کہ کیا تمھیں کوئی ضرورت ہے؟ ایک دن میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میری ایک ضرورت ہے؟ (اسے پوری کیجیے) آپ ﷺ نے دریافت کیا: بتاؤ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ قیامت کے دن آپ میرے حق میں سفارش کیجیے۔اللہ کے رسول ﷺ نے دریافت کیا کہ تمھیں یہ خیال کیسے آیا؟ انھوں نے کہا: میرے رب نے یہ بات میرے دل میں ڈالی۔آپ ﷺ نے فرمایا: کثرت سے نفل نمازوں کا اہتمام کرو(میری شفاعت کے مستحق بنوگے)''۔(السلسلة الصحیحة:2102)

۳۔اذان کے بعد کی دعا کا اہتمام: حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ النِّدَاءَ ،اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًاالْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ حُلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ ۔''جو شخص اذان سنے اور اس کے بعد یہ کلمات کہے تو قیامت کے دن اسے میری شفاعت نصیب ہوگی''۔(بخاری: باب الدعاء عند النداء:4719)

۴۔مدینہ کی رہائش پر صبر کرنا: مدینہ میں رہائش کی بڑی فضیلت آئی ہے۔جو شخص مدینہ میں آباد ہو اور وہاں کی رہائش پر پہنچنے والی پریشانیوں پر صبر کرے تو اللہ کے رسول ﷺ قیامت کے دن اس کے حق میں سفارش کریں گے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ صَبَرَ عَلٰی لَأْوَائِهَا وَشِدَّتِهَا کُنْتُ لَهٗ شَفِیْعًا أَوْ شَهِیْدًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِذَا کَانَ مُسْلِمًا ۔(مسلم: باب الترغیب فی سکن المدینة علی لأوائها:1377)''جو شخص مدینہ کی پریشانیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرے گا تو میں قیامت کے دن اس کے حق میں سفارشی یا گواہ بنوگا اگر وہ مسلمان ہو''۔

۵۔مدینہ میں وفات کا آنا۔مدینہ میں وفات پانا بھی رسول کی شفاعت کا ایک اہم سبب ہے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں، رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْکُمْ أَنْ یَّمُوْتَ

بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ فَإِنَّهُ مَنْ مَاتَ بِهَا كُنْتُ لَهُ شَهِيْدًا أَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔(صحیح الترغیب والترھیب:1197)''جوشخص مدینہ میں مرسکتا ہو،اسے چاہیے کہ مدینہ مرے، کیوں کہ جوشخص مدینہ میں انتقال کر جائے، قیامت کے دن میں اس کے حق میں گواہ یا شفارشی بنوں گا''۔

صحابہ کرامؓ کی یہ خواہش اور تمنا ہوتی کہ ان کی موت مدینہ میں آئے تا کہ وہ نبی کی سفارش کے مستحق بن سکیں۔حضرت عمر بن خطابؓ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے مختلف موقعوں پر دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی۔آپ ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے۔اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ۔(بخاری:1890)''اے اللہ! تو مجھے تیرے نبی کے شہر میں موت عطا فرما اور تیرے راستے میں شہادت مرتبہ نصیب فرما''۔

یہ دونوں چیزیں بظاہر جمع نہیں ہوسکتیں۔شہادت کے لیے شہر سے باہر نکلنا پڑتا ہے تا کہ دشمنوں سے مقابلہ کیا جائے۔ایسی صورت میں مدینہ میں موت واقع نہیں ہوسکتی۔مگر چوں کہ صدق دل اور سچی نیت سے دعا کی گئی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کی دونوں ہی دعائیں قبول فرمائیں۔آپؓ کا انتقال مدینہ میں ہوا اور شہادت کا مرتبہ بھی نصیب ہوا۔وہ اس طرح کہ ایک مرتبہ آپؓ لوگوں کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے، کسی دشمن نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ پر حملہ کر دیا اور یہ حملہ اس قدر شدید تھا کہ اسی میں آپ کا انتقال ہوگیا۔اس طرح ان کی موت بھی مدینہ میں واقع ہوی اور شہادت کا مرتبہ بھی نصیب ہوا۔

اسلافِ کرامؒ بھی یہ تمنا کیا کرتے تھے کہ ان کی موت مدینہ میں واقع ہو۔امام دارالھجرہ حضرت مالک بن انسؒ ہمیشہ مدینہ ہی میں رہتے اور مدینہ سے باہر نہیں نکلتے تھے تا کہ ان کی موت مدینہ میں واقع ہو۔

جن لوگوں کے حق میں سفارش قبول نہیں کی جائے گی: کچھ بدنصیب ایسے بھی ہوں گے، جن کے حق میں سفارش نہیں کی جائے گی اور اگر سفارش کی بھی جائے تو ان کے حق میں سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔

ا۔کافر اور مشرک: ان میں سب سے پہلے کافر اور مشرک ہیں۔کافر اور مشرک کے حق میں سفارش قبول نہیں کی جائے گی۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ

كُـلُّ نَبِـيٍّ دَعْـوَتَهُ وَاِنِّىْ اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِىْ شَفَاعَةً لِأُمَّتِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَهِىَ نَائِلَةٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَنْ مَـاتَ لَايُشْـرِكَ بِـالـلّٰهِ شَيْئًا حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِىْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔''ہر نبی کی ایک دعا ہوتی ہے جوضرور قبول کی جاتی ہے، ہر نبی نے اپنی دعا کے بارے میں جلدی کی، میں نے اپنی دعا اپنی امت کی شفاعت کے خاطر قیامت کے دن کے لیے محفوظ کر رکھی ہے۔ یہ ہر اس شخص کو حاصل ہوگی جس کا انتقال اس حال میں ہوا ہو کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کیا ہو''۔(مسلم، صحیح الجامع الصغیر)

۲۔منافق : منافق کے حق میں بھی سفارش قبول نہیں کی جائے گی ۔سورۂ توبہ میں فرمایا گیا: اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۔(التوبۃ:80)

۳۔حقوق اور فرائض میں کوتاہی کرنے والا : حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک موقع پر نبی کریم ﷺ ہمارے درمیان کھڑے ہوے اور خیانت کے بارے میں گفتگو فرمائی اور اسے غیر معمولی اہمیت کا حامل گناہ قرار دیا۔آپ نے فرمایا: قیامت کے دن میں تم میں سے کسی شخص سے اس حال میں ہرگز نہ ملوں کہ اس کی گردن پر کوئی بکری لدی ہوی ہو اور وہ پکار رہی ہو یا اس کی گردن پر کوئی گھوڑ الدا ہوا ہو اور وہ آواز دے رہا ہو۔ پھر وہ شخص کہے: اے اللہ کے رسول ﷺ! میری مدد فرمایئے ۔جس پر میں کہوں گا: مجھے تمھارے معاملے میں اللہ کی طرف سے کوئی اختیار نہیں ہے۔ میں تو (جو حق پہنچانا تھا) وہ تمھیں پہنچا دیا۔(بخاری)

۴،۵۔ظالم امام اور دین میں غلو کرنے والا : حضرت ابوامامہ باہلیؓ سے مروی ہے، اللہ کے رسول نے فرمایا: صنفان من امتی لن تنالھما شفاعتی امام ظلوم غشوم وکل غال مارق ۔''میری امت کے دو قسم کے افراد میری شفاعت نہیں پا سکتے ۔ایک ظالم اور غاصب امام اور دوسرے دین میں غلو اور حد سے تجاوز کرنے والا''۔(صحیح الترغیب والترھیب :2218)

فرض نماز کے تقاضے

پنج وقتہ نماز دین کے بنیادی ارکان میں سے ہے، جو مردوں پر جماعت کے ساتھ فرض ہے۔ ہر مسلمان سے اسلام کا مطالبہ ہے کہ وہ نماز کو اس کے تقاضوں کے مطابق ادا کرے۔ ارشاد الٰہی ہے:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطٰى ۔(البقرۃ238)''نمازوں کی پابندی کرو، بالخصوص درمیانی نماز کی''۔

ا۔نماز کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ وقت سے پہلے اس کی تیاری کی جائے۔ یہ دنیا کا اصول ہے کہ کام جتنا اہم ہوتا ہے، اس کی تیاری پر اتنی ہی زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔ جیسے ہی اذان کا وقت ہو، اپنے تمام کاموں کو ترک کر کے نماز کی تیاری شروع کر دینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۔(الجمعہ:9)''اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف تیزی کے ساتھ لپکو اور خرید و فروخت چھوڑ دو''۔

اس آیت کے ضمن میں اہلِ علم نے لکھا ہے کہ اذان کے بعد خرید وفروخت کرنا اور دیگر دنیوی کاموں میں مصروف رہنا جائز نہیں۔

ہمارے معاشرے میں کتنے مسلمان ایسے ہیں جو محض اپنے کاروبار اور تجارت کی وجہ سے یا تو نماز ترک کر دیتے ہیں، یا وقت پر ادا نہیں کرتے۔ بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ محض اپنی تجارت اور نوکری کی خاطر جمعہ جیسی عظیم عبادت بھی ادا نہیں کرتے۔ یقیناً ایسا کاروبار جو نماز سے غافل کر دے ایک مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ کام کتنا ہی ضروری ہو اور مصروفیت کتنی ہی اہم ہو، جب نماز کا وقت ہو جائے تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر نماز کی طرف لپکنا ضروری ہے۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ گھر میں رسول اکرم ﷺ کے معمولات کیا ہوتے تھے؟ فرمایا:

'' آپ ﷺ کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے ۔جب اذان ہوتی تو اپنی ساری مصروفیات کو ترک کر کے فوراً مسجد کا رخ فرماتے۔(بخاری)

اسی طرح اذان کے بعد گفتگو یا ہنسی مذاق کرتے ٹھہرنا، یا یہ سمجھنا کہ ابھی تو جماعت ٹھہرنے کے لیے وقت ہے، یہ غفلت میں ڈالنے والے اعمال ہیں، ان سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

پاکی صفائی کا اہتمام : بندۂ مومن کو چاہیے کہ پوری طرح پاک صاف ہو کر مسجد کا رخ کرے۔ بدبو اور بدبودار چیزوں سے محفوظ رہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص (کچی) پیاز یا لہسن کھائے وہ ہم سے (یا فرمایا:) ہماری مسجد سے دور رہے، بل کہ اپنے گھر میں ہی بیٹھا رہے''۔(ابوداؤد: باب فی أکل الثوم)

''جن چیزوں سے انسان کو تکلیف ہوتی ہے، ان سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے''۔ (ابن ماجہ: باب أکل الثوم)

اگر منہ کے اندر کسی طرح کی بدبو رہ گئی ہو تو مسواک کر لے، تا کہ بدبو پوری طرح ختم ہو جائے اور وضو کر کے ظاہری پاکی بھی حاصل کر لے۔ گھر میں وضو کر کے پیدل مسجد جانے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ (اگر چہ اس میں مشکل ہوتی ہے، مگر اس کا اجر و ثواب بھی بڑا ہے) اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنُ تَطَهَّرَ فِیُ بَیُتِهٖ ثُمَّ مَشَی اِلٰی بَیُتٍ مِّنُ بُیُوُتِ اللّٰهِ لِیَقُضِیَ فَرِیُضَةً مِّنُ فَرَائِضِ اللّٰهِ کَانَتُ خُطُوَتَاهُ اِحُدَاهُمَا تَحُطُّ خَطِیْئَةً وَالْأُخُریٰ تَرُفَعُ دَرَجَةً۔ (مسلم: باب المشی الی الصلاۃ تمحی به الخطایا) ''جو شخص اپنے گھر میں وضو کرے۔ پھر فرض نماز کے لیے اللہ کے گھر کی طرف چل کر جائے تو اس کے ایک ایک قدم کے بدلے ایک ایک گناہ اور دوسرے ہر قدم کے بدلے ایک درجہ بلند ہوگا''۔

وضو کرنا اور اس کے بعد دعا پڑھنا اس قدر عظیم نیکی ہے کہ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ آٹھوں دروازوں سے جنت میں داخل ہونے کا اختیار دے گا۔ (ابوداؤد: باب مایقول الرجل اذا توضأ)

اچھا لباس اور عمدہ خوش بو استعمال کرنا : مسجد اللہ کا گھر ہے، جہاں بندہ اللہ سے سرگوشی کرنے کے لیے حاضر ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب وہ اپنے دفتر، اسکول وغیرہ جاتے ہیں تو اس بات کا پورا اہتمام کرتے ہیں کہ ان کا لباس عمدہ اور معطر ہو، لیکن ایسا اہتمام اللہ کے گھر کے لیے نہیں کرتے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ہم کلام ہونے

کے لیے اس کے گھر حاضر ہوا جائے تو اچھے لباس اور عمدہ خوش بو کا اہتمام کیا جائے۔ارشاد ہے:

یَا بَنِیْ آدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ ۔(الأعراف:31)''اے بنی آدم! عبادت کے ہر موقع پر اپنے جسم کی زیب و زینت سے آراستہ رہا کرو''۔

مسجدوں میں اللہ کا نور تقسیم ہوتا ہے :جب مسجد کا رخ کریں تو اللہ تعالیٰ سے اسی نور کا سوال کرتے ہوئے قدم بڑھائیں۔رسول اکرم ﷺ جب گھر سے مسجد کی طرف روانہ ہوتے تو زبانِ مبارک پر یہ دعا ہوتی:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا،وَ اجْعَلْ فِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا،وَاجْعَلْ فِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا،وَاجْعَلْ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا،وَاجْعَلْ خَلْفِیْ نُوْرًاوَّأَمَامِیْ نُوْرًا،وَاجْعَلْ مِنْ فَوْقِیْ نُوْرًاوَمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا،اللّٰھُمَّ وَأَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا ۔(ابوداؤد:باب فی صلاۃ اللیل:۱۳۵۵)

''اے اللہ! میرے دل کو منور کردے۔میری زبان میں،میری سماعت میں اور میری بصارت میں بھی نور پیدا فرمادے۔میرے آگے پیچھے اور میرے اوپر نیچے نور ہی نور ہو اور میری روشنی میں اضافہ فرما''۔

اور جب پہلا قدم مسجد میں رکھیں تو پورے اشتیاق کے ساتھ اللہ سے یوں فریاد کرنا چاہیے:

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ أَبْوَابَ رَحْمَتِكَ ۔''اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے''۔(ابوداؤد:باب فی صلاۃ اللیل)

دربارِ الٰہی میں حاضر ہونے کے بعد پہلے دو رکعت ''تحیۃ المسجد''ادا کریں،جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک کہ دو رکعت نہ پڑھ لے''۔(ابن ماجہ:باب من دخل المسجد...)

اذان اور نماز کے درمیان کا وقت بڑا قیمتی ہوتا ہے۔اس دوران کی جانے والی دعائیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ أَوْ قَلَّمَا تُرَدَّانِ ،اَلدُّعَاءُ عِنْدَ النِّدَاءِ وَعِنْدَالْبَأْسِ ۔(ابوداؤد:باب

الدعاءعندالقاء)''دودعائیں کبھی ردنہیں ہوتیں،یا بہت کم رد ہوتی ہیں۔ایک وہ دعا جواذان کے وقت کی جائے،دوسری وہ جو جنگ کے وقت کی جائے''۔

نماز کاایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اگر جماعت کھڑی ہونے میں وقت ہوتو نماز کے انتظار میں بیٹھا جائے۔مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھنا بھی اجروثواب کاباعث ہے۔ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نمازعشا کے لیےآدھی رات کے بعد گھر سے نکلے۔جولوگ مسجد میں تھے،انھیں خطاب کر کے فرمایا:

صَلَّی النَّاسُ وَرَقَدُوا وَلَمْ تَزَالُوا فِیْ صَلَاۃٍ مُنْذُ انْتَظَرْتُمُوْهَا ۔(بخاری)''لوگ نماز پڑھ چکےاورسوگئے۔اس وقت تک تمھیں نماز کا ثواب ملتارہے گا جب تک تم نماز کے انتظار میں رہوگے''۔

ایک اورروایت میں ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَلَائِکَۃُ تُصَلِّی عَلٰی أَحَدِکُمْ مَادَامَ فِیْ مُصَلَّاہُ الَّذِیْ صَلّٰی فِیْهِ مَا لَمْ یُحْدِثْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ ۔(بخاری)''فرشتے تم میں سے اس شخص کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جونماز کے بعد مصلّے پر بیٹھا رہتا ہے۔یہ سلسلہ اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ وہ ہوا خارج نہ کرے۔وہ کہتے ہیں:''اے اللہ!اس کی مغفرت فرما،اس پر رحم فرما''۔

تکبیر تحریمہ کا اہتمام کیا جائے :اکثر لوگ نماز کی پابندی تو کرتے ہیں،مگر تکبیرِ تحریمہ کا اہتمام نہیں کرتے، حالاں کہ یہ بڑے اجروثواب کا کام ہے۔تکبیرِ تحریمہ اور نماز باجماعت کا اہتمام کرنے سے اللہ نفاق اور نارِ جہنم سے حفاظت کرتا ہے۔حضرت انسؓ سے مروی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلّٰی لِلّٰهِ أَرْبَعِیْنَ یَوْمًا فِیْ جَمَاعَةٍ یُدْرِکُ التَّکْبِیْرَۃَ الْأُوْلٰی کُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَۃٌ مِّنَ النِّفَاقِ وَبَرَاءَۃٌ مِّنَ النَّارِ ۔(ترمذی:باب فضل التکبیرۃ الأولی :241)

''جو شخص چالیس دن تک جماعت اور تکبیرِ تحریمہ کی پابندی کرتے ہوئے نماز ادا کرے تو اس کے لیے دو چیزوں:نفاق اور جہنم کی آگ سے براءت لکھ دی جاتی ہے''۔

پہلی صف کا التزام کیاجائے : اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''اگر لوگوں کو اذان اور صفِ اول کا ثواب معلوم ہوجائے تو اسے حاصل کرنے کے لیے

اگر قرعہ اندازی کی ضرورت پڑے تو لوگ اس سے بھی دریغ نہ کریں‘‘۔(صحیح بخاری: بـــاب فضل التھجیر الی الظھر)

ایک اور حدیث میں ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰـهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِ الْأَوَّلِ (ابن ماجہ: باب فضل الصّف)’’اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صف (کا اہتمام کرنے والوں) پر درود بھیجتے ہیں‘‘۔

ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرامؓ میں صف اول کے اہتمام میں ذرا کمی دیکھی تو فرمایا:

’’آگے بڑھو اور میری اقتدا کرو۔تمھارے بعد جو آئیں گے وہ تمھاری اقتدا کریں گے۔ جو لوگ پیچھے رہیں گے، اللہ انھیں پیچھے ہی کردے گا‘‘۔(ابوداؤد: باب صف النساء)

اللہ کے حضور باشعور ہو کر کھڑا ہوا جائے : پھر جب اللہ کے حضور ٹھہرنے کا وقت ہو تو اللہ سے ہم کلامی اور سرگوشی کے تصور سے بندۂ مومن کے اندر خوف ورجا کی کیفیت پیدا ہونی چاہیے۔حضرت زید بن علی بن حسینؓ جب نماز کے لیے وضو کرنے لگتے تو ان کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا۔کسی نے پوچھا کہ آپ بیمار تو نہیں؟ فرمایا:

أَتَـدْرُوْنَ بَيْـنَ يَـدَىْ مَـنْ سَـأَقِفُ بَـعْـدَ قَـلِيْـلٍ۔’’کیا تمھیں معلوم ہے کہ میں تھوڑی دیر بعد کس کے سامنے کھڑے ہونے والا ہوں؟(خطب و محاضرات للشیخ سعیدبن مسفر:اسباب الخشوع فی الصلاۃ)

نماز اس طرح پڑھنی چاہیے گویا زندگی کی آخری نماز ہے :اللہ کے رسول ﷺ نے ایک صحابیؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

إِذَا قُـمْـتَ فِـىْ صَلَاتِكَ فَـصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ۔(السلسلۃ الصحیحۃ)’’جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو ایسی نماز پڑھو گویا یہ دنیا سے رخصت ہونے والے کی نماز ہے‘‘۔

خشـوع کـا اهتـمـام کیـاجـائـے : نماز پورے حضورِ قلب اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔اکثر لوگوں کی شکایت ہوتی ہے کہ ہماری نمازوں میں خشوع نہیں پیدا ہوتا۔نبی ﷺ نے خشوع پیدا کرنے کا ایک ذریعہ یہ بتایا کہ نماز پڑھتے ہوئے اپنی موت کو یاد کریں۔آپ ﷺ نے فرمایا:

اُذْكُرِ الْمَوْتَ فِیْ صَلَاتِكَ فَاِنَّ الرَّجُلَ اِذَا ذَكَرَالْمَوْتَ فِیْ صَلَاتِهٖ لَحَرِیٌّ اَنْ یُحْسِنَ صَلَاتَهٗ ۔(السلسلۃ الصحیحۃ)''اپنی نماز میں موت کو یاد کرو، کیوں کہ انسان جب نماز میں موت کو یاد کرتا ہے تو وہ اپنی نماز کو بہتر بنانے کی کوشش کرتا ہے''۔

حضرت حاتم الأصمؒ بڑے عبادت گزار تھے۔ان سے کسی نے پوچھا: آپ اپنی نماز میں خشوع کیسے پیدا کرتے ہیں؟۔انھوں نے جواب دیا:

اِذَا اَرَدْتُّ اَنْ اُصَلِّیَ اَتَصَوَّرُ اَنَّ الْجَنَّةَ عَنْ یَّمِیْنِیْ وَاَنَّ النَّارَ عَنْ یَّسَارِیْ وَاَنَّ مَلَكَ الْمَوْتِ خَلْفَ ظَهْرِیْ وَاَنَّ الصِّرَاطَ تَحْتَ قَدَمِیْ،وَاَنَّ الْكَعْبَةَ اَمَامِیْ ۔جب میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو یہ تصور کرتا ہوں کہ جنت میرے دائیں جانب اورجہنم میرے بائیں جانب ہے، روح قبض کرنے والا فرشتہ میرے پیچھے ہے، پل صراط میرے قدموں کے نیچے ہے اور کعبہ میرے سامنے ہے''۔

پھر اس کے بعد کہتے ہیں:ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ لَا اَدْرِیْ اَقُبِلَتْ صَلَاتِیْ اَمْ رُدَّتْ عَلَیَّ ۔اس کے باوجود میں نہیں کہہ سکتا کہ میری نماز اللہ کے دربار میں مقبول ہوی یا نہیں۔(خطب و محاضرات..)

نماز کے بعد کے اذکار کااهتمامکیا جائے : نماز اور ذکر کے درمیان گہرا ربط ہے۔ یہ دو ایسی عبادتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں۔سورۂ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَقِمِ الصَّلَاةَ۔اِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُاللّٰهِ اَكْبَرُ (آیت:۴۵)
''نماز قائم کرو، یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔اور اللہ کا ذکر اس سے بھی زیادہ بڑی چیز ہے''۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا تَوَطَّنَ رَجُلٌ مُسْلِمٌ الْمَسَاجِدَ لِلصَّلَاةِ وَالذِّكْرِ اِلَّاتَبَشْبَشَ اللّٰهُ لَهٗ كَمَا یَتَبَشْبَشُ اَهْلُ الْغَائِبِ بِغَائِبِهِمْ اِذَا قَدِمَ عَلَیْهِمْ ۔(ابن ماجہ: باب لزوم المساجد وانتظار الصلاۃ)
''جب مسلمان بندہ مسجد کو اپنا ٹھکانا بنا کر نماز اور ذکر میں مشغول ہوجائے تو اللہ تعالیٰ کو اس سے اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی خوشی گھر والوں کو اپنے کسی گم شدہ آدمی کے ملنے پر ہوتی ہے''۔

یہ وہ عبادتیں ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو بھی دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کرنے کے بعد فرمایا:

وَأَنَـا اخْتَـرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحىٰ اِنَّنِي أَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّاأَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِـذِكْـرِيْ ۔ (طٰہٰ:13،14) ''اور میں نے آپ کو چن لیا ہے۔ آپ پر جو وحی کی جاتی ہے، اسے غور سے سنیے۔ میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس میری ہی بندگی کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو''۔

احادیث میں بہت سے اذکار مروی ہیں، جن کا اہتمام نبی ﷺ فرض نماز کے بعد فرماتے تھے۔ اس کی حکمت اہلِ علم نے یہ بتائی ہے کہ ان کی وجہ سے نماز میں ہونے والی کوتاہیوں کی تلافی ہوتی ہے۔ ان اذکار کا اہتمام ہونا چاہیے۔ عام طور پر معاشرے میں اس تعلق سے بڑی غفلت پائی جاتی ہے۔

نماز کے بعد کے اذکار میں آیۃ الکرسی کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص ہر نماز کے بعد ''آیۃ الکرسی'' پڑھے گا، موت کے بعد اس کو جنت میں داخل ہونے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی''۔ (صحیح الجامع الصغیر:6464)

نماز کے بعد کے اذکار میں تسبیح وتحمید اور تکبیر وتہلیل بھی ہے۔ ان کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

جو شخص فرض نماز کے بعد 33/ بار سبحان اللہ، 33/ بار الحمد للہ، 33/ بار اللہ اکبر اور ایک مرتبہ ''لَاإِلٰـهَ إِلَّااللّٰـهُ وَحْـدَهُ لَاشَـرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر'' پڑھے گا تو اس کے (صغیرہ) گناہ معاف ہو جاتے ہیں، خواہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں''۔

عبادت کی راہ سے شیطان بندۂ مومن کو گم راہ کرتا ہے۔ اسی لیے بندہ ہر نماز کے بعد یہ دعا: ''رَبِّ أَعِـنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ '' پڑھ کر ایک طرف اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ یہ عبادتیں اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں تو دوسری طرف اللہ سے مزید توفیق کا طلب گار رہتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ نماز کا اہتمام اس کے جملہ تقاضوں کے ساتھ کرنے کی توفیق بخشے۔ ✦✦✦

ہماری نمازیں برائیوں سے کیوں نہیں روکتیں؟

کلمۂ توحید کے اقرار کے بعد ایک عاقل اور بالغ مسلمان پر سب سے پہلے نماز فرض ہوتی ہے۔یہی چیز کفراورایمان کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔رسول اکرمﷺ کاارشاد ہے:

اَلْعَهْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمُ الصَّلَاةُ. فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ ۔(ترمذی)''ہمارے اوران (کفار) کے درمیان فرق کرنے والی چیز نماز ہے۔جس نے اسے ترک کیا،اس نے کفرکیا''۔

نماز کا سب سے بڑافائدہ یہ ہے کہ آدمی دین دار بن جاتا ہے۔نماز انسان کونیکیوں کی طرف آمادہ کرتی اور برائیوں سے روکتی ہے۔سورۂ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۔(العنکبوت:45)''یقیناًنماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے''۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

نَفْسُ فِعْلِ الطَّاعَاتِ یَتَضَمَّنُ تَرْكَ الْمَعَاصِیْ وَنَفْسُ تَرْكِ الْمَعَاصِیْ یَتَضَمَّنُ فِعْلَ الطَّاعَاتِ وَلِهٰذَا كَانَتِ الصَّلَاةُ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ ۔(فتاویٰ ابن تیمیہ:ج10/753)''نیکی اوراوامر کااہتمام گناہ اورمعاصی سے بچاتا ہے۔اسی طرح برائیوں اورگناہوں کے ارتکاب سے انسان نیکیوں سے دور ہوجاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ نماز برائی اور بےحیائی کے کاموں سے روکتی ہے''۔

کفاراورمشرکین کوبھی اس بات کااعتراف تھا کہ نماز برائی سے روکتی ہے۔حضرت شعیبؑ نے جب اپنی قوم کوبتوں کی عبادت سے روکا تو لوگوں نے کہا:

یَا شُعَیْبُ أَصَلَاتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا یَعْبُدُ آبَاءُ نَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِیْ أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ ۔(ھود:87)''اے شعیب! کیاتمھاری نمازتمھیں حکم دیتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑدیں جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے،یاہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا چھوڑدیں''۔

حضرت عمرؓ جب کسی کو کوئی عہدہ یا منصب تفویض کرنا چاہتے تو دیکھتے کہ وہ نماز کا پابند ہے یا نہیں ۔اگر وہ پابند ہوتا تو اس کو عہدہ عطا کرتے ،ورنہ نہیں، کیوں کہ انھیں یقین تھا کہ نماز کی پابندی کرنے والا اپنے عہدے کا غلط استعمال نہیں کرسکتا۔اور جو نماز میں کوتاہی کرے گا،وہ دین کے دوسرے معاملات میں بھی کوتاہی کرے گا۔وہ کہا کرتے تھے:

مَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا أَضْيَعُ ۔''جو نماز کو ضائع کرے گا،وہ دین کے دوسرے امور کو بدرجۂ اولی ضائع کرے گا''۔(مؤطاامام مالک:باب وقوت الصلاۃ)

حضرت ابوالعالیہؒ فرماتے ہیں:

اِنَّ الصَّلَاةَ فِيُهَا ثَلَاثَ خِصَالٍ .اَلْإِخْلَاصُ ،وَالْخَشْيَةُ وَذِكْرُ اللّٰهِ. فَالْإِخْلَاصُ يَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوْفِ ،وَالْخَشْيَةُ تَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَذِكْرُ الْقُرْآنِ يَأْمُرُهُ وَيَنْهَاهُ ۔(تفسیر ابن کثیر:العنکبوت: 45)''نماز کی تین خوبیاں ہیں۔ایک اخلاص، دوسری خشیت اور تیسری اللہ کا ذکر۔اخلاص نمازی کو نیکیوں پر آمادہ کرتا ہے،خشیت، برائیوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اسے بھلائی کا حکم دیتا اور برائیوں سے روکتا ہے''۔

حضرت ابن عون انصاریؒ فرماتے ہیں:

اِذَا كُنْتَ فِيْ صَلَاةٍ فَأَنْتَ فِيْ مَعْرُوْفٍ وَقَدْ حَجَرَتْكَ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ. (تفسیر ابن کثیر:العنکبوت: 45)''جب تم نماز میں ہوتے ہو تو نیکی اور بھلائی میں رہتے ہو۔وہ تمھیں برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے''۔

مشہور حدیث ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:اَلصَّلَاةُ نُوْرٌ ۔(الترغیب والترھیب:189) ''نماز روشنی ہے''۔اس کے ضمن میں شارحین نے لکھا ہے:

اِنَّهَا تَمْنَعُ عَنِ الْمَعَاصِيْ وَتَنْهٰى عَنِ الْفَحْشاءِ وَالْمُنْكَرِ ۔(سنن نسائی بحاشیۃ السندی:ج5/9)''نماز گناہوں سے روکتی ہے اور برائی اور بے حیائی سے باز رکھتی ہے''۔

بندۂ مومن نماز کے ذریعے برائیوں سے دور رہنے کی مشق کرتا ہے۔وہ نماز میں کئی مرتبہ اللہ اکبر کہتا ہے تو اللہ کی بڑائی اور عظمت اس کے دل میں پیدا ہوتی ہے۔اللہ کے سامنے باادب کھڑے ہوکر

اطاعت وفرماں برداری کا اعلان کرتا ہے۔ رکوع اور سجدہ کر کے اپنی عاجزی اور بندگی کا اظہار کرتا ہے۔ تسبیح وتحمید اورذکرواذکار کا اہتمام کر کے بار بار اللہ کو یاد کرتا ہے۔نماز کا ایک ایک رکن اللہ کے بتائے طریقے کے مطابق ادا کر کے اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ میں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ اپنے رب کے بتائے ہوے طریقے کے مطابق گزاروں گا۔نماز کی ہر رکعت میں اللہ کی عبادت واستعانت کا اقرار کر کے توحید پر قائم رہنے، شرک سے دور رہنے اور غیر اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانے سے باز رہنے کا عہد کرتا ہے۔اللہ سے ہدایت کا طلب گار اور دین پر استقامت کا سوالی ہو کر بے راہ روی اور بے دینی سے محفوظ رہنے کا عزم کرتا ہے۔

جب وہ نماز کا آغاز کرتا ہے تو ''اللہ اکبر'' کہتا ہے، جسے تکبیر تحریمہ کہا جاتا ہے۔یعنی اس تکبیر کی وجہ سے وہ اپنے اوپر حلال چیزوں کو بھی حرام کر لیتا ہے۔اس کے بعد اس کے لیے بات چیت کرنا، ادھر ادھر دیکھنا اور نماز کے اعمال کے سوا ہر چیز حرام ہو جاتی ہے۔جب بندہ دن میں کئی مرتبہ شعوری طور پر نماز ادا کرتا ہے اور اس کے ذریعے اس طرح کی مشق کرتا ہے تو اس کے لیے برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے۔غرض حقیقی نمازی برائی اور بے حیائی کا ارتکاب کبھی نہیں کر سکتا، کیوں کہ اس کی نماز اسے برائی پر آمادہ کبھی نہیں کرتی، بل کہ وہ تو اسے برائیوں سے روکتی ہے۔

اگر آدمی نماز پڑھنے کے باوجود برائیوں سے باز نہ آئے تو وہ نماز حقیقت میں نماز نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ سے اس عورت کے بارے میں پوچھا گیا نمازوں کا بکثرت اہتمام کرتی تھی مگر اپنے پڑوسی کو تکلیف پہنچاتی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ جہنمی ہے۔(صحیح الترغیب والترھیب:2560)

ہماری نمازیں ہمیں برائیوں سے کیوں نہیں روکتیں؟ ہم پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کرتے ہیں۔ صفِ اول کا بھی اہتمام کرتے ہیں، سنن ونوافل کی بھی پابندی کرتے ہیں، مگر جب ہم مسجد سے باہر آتے ہیں تو منکرات اور معاصی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔خصوصًا خلوت اور تنہائی میں برائیوں کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔سودخوری، رشوت، اکلِ حرام، دھوکا دہی، جھوٹ، مکروفریب، چغلی اور غیبت جیسی بہت ساری برائیوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں۔ظاہر بات ہے کہ ہماری نماز وہ نماز نہیں ہے جس کے بارے میں برائیوں سے روکنے کی بات کہی گئی ہے۔یہ تو ظاہری اعتبار سے نماز ہے، ورنہ یہ روح سے خالی ہے۔ایسی ہی نماز اور نمازیوں کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا:

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

نماز کا معاملہ دوا کی طرح ہے۔ دوائیں اسی وقت فائدہ پہنچاتی ہیں جب اس میں دو باتوں کا لحاظ رکھا جائے: (۱)۔ دوا پابندی کے ساتھ طبیب کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال کی جائے۔ (۲) دوا کے ساتھ پرہیز بھی ضروری ہے۔ یعنی ایسی باتوں سے بچا جائے، جو دوا کے اثرات کو زائل کرنے والی ہوتی ہیں۔ ٹھیک یہی حال نماز کا ہے۔ نماز اسی وقت برائیوں سے روکتی ہے جب اس کے تمام ارکان، واجبات، آداب، شرائط اور اس کے تقاضوں کے ساتھ ادا کی جائے، اور ساتھ ہی ان تمام باتوں سے اجتناب کیا جائے جو نماز کے اثرات کو ختم کرنے والی ہیں۔

(۱) نماز وقت پر ادا کی جائے : اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور انھیں دن اور رات کے مختلف اوقات میں ادا کرنا ضروری قرار دیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَابًا مَّوْقُوْتًا۔ (النساء:103) ’’یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں میں فرض کی گئی ہے‘‘۔

نماز کو مختلف اوقات میں فرض کرنے کی حکمت یہ ہے کہ مومن کے ایمان کی تجدید ہوتی رہے، اور وقتاً فوقتاً اس کی یاد دہانی ہوتی رہے۔ وہ جتنی مرتبہ اللہ کے دربار میں آئے گا، اتنا ہی اس کا ایمان تازہ ہوگا۔ نیکیوں اور عبادتوں کا شوق اور گناہوں سے بچنے کا جذبہ اس میں پیدا ہوگا۔

جو لوگ نماز وقت پر ادا نہیں کرتے، ان کی نماز انھیں برائیوں سے نہیں روکتی۔ اسی لیے ایسے لوگوں کے بارے میں سخت وعید آئی ہے۔ سورۂ مریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوَاتِ فَسَوْفَ یَلْقَوْنَ غَیًّا۔ (۵۹) ’’پھر ان کے بعد وہ ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کی۔ پس قریب ہے کہ وہ گم راہی کے انجام سے دوچار ہوں‘‘۔

نماز کو ضائع کرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔ نماز بالکل ترک کر دینا، وقت پر نہ ادا کرنا، جب جی چاہا پڑھ لینا، بلا عذر کئی نمازیں اکٹھی کر کے پڑھنا، وغیرہ۔

۲۔ نماز سنتِ نبوی کے مطابق ادا کی جائے : وہی نماز انسان کو برائیوں سے روکتی ہے جو

درست ہو اور سنتِ نبوی کے مطابق ہو۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ نماز تو آسمان پر فرض ہوی مگر اس کا طریقہ بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو آپ ﷺ کے پاس بھیجا۔حضرت جبریلؑ نے دو دن نماز پڑھ کر بتایا۔پہلے دن اولِ وقت میں اور دوسرے دن آخری وقت میں۔گویا ایک مرتبہ نہیں بل کہ دس مرتبہ حضرت جبریلؑ نے آپ ﷺ کو نماز کا طریقہ بتایا۔

نماز رسولؐ کے بتائے ہوے طریقے کے مطابق ادا کرنا ضروری ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّيْ ۔(صحیح الجامع الصغیر 893) ''تم ویسے ہی نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوے دیکھا ہے''۔

جو نماز سنت نبوی کے مطابق ادا نہ کی جائے،وہ اجر وثواب سے خالی ہوگی۔ارشادِ نبویؐ ہے:

اِنَّ الرَّجُلَ لَيُصَلِّيْ سِتِّيْنَ سَنَةً وَمَا تَقَبَّلَ لَهُ صَلَاةً وَلَعَلَّهُ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَلَايُتِمُّ السُّجُوْدَ وَيُتِمُّ السُّجُوْدَ وَلَايُتِمُّ الرُّكُوْعَ. (الصحيحة :2535) ''انسان اپنی زندگی میں ساٹھ سال مسلسل نمازیں پڑھتا رہتا ہے،مگر اس کی ایک نماز بھی اللہ کے دربار میں قبول نہیں ہوتی،کیوں کہ وہ رکوع تو برابر کرتا ہے مگر سجدہ (سنت کے مطابق) برابر نہیں کرتا،یا وہ سجدہ تو برابر کرتا ہے مگر رکوع برابر نہیں کرتا''۔

نماز کی اہمیت کے پیشِ نظر رسول اکرم ﷺ صحابہ کرامؓ کی نمازوں کی اصلاح فرماتے۔حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور جلدی جلدی نماز ادا کر کے حاضرِ خدمت ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: واپس جاؤ،دوبارہ نماز ادا کرو۔اس نے دوبارہ ویسے ہی نماز پڑھی۔آپ ﷺ نے پھر اسے نماز دہرانے کا حکم دیا۔اس نے کہا: میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا،آپ ہی مجھے بتائیں کہ میں کیسے پڑھوں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے آؤ تو پہلے اچھی طرح وضو کرلو،پھر تکبیر کہو اور قرآن مجید کا جتنا حصہ پڑھ سکتے ہو پڑھو۔پھر آپ ﷺ نے اسے تفصیل سے بتایا کہ رکوع،سجدہ اور ارکان میں سے ہر ایک اطمینان کے ساتھ ادا کرو''۔(بخاری: بـاب أمـر الـنبـي ﷺ الذي لايتم ركوعه بالإعادة :793)

۳۔<u>نماز میں خشوع وخضوع ہو</u>:علماے سلف کا قول ہے :

اَلْخُشُوْعُ فِي الصَّلَاةِ بِمَنْزِلَةِ الرُّوْحِ لِلْجَسَدِ ۔(الإيضاح والتبيين لبعض صفات

المؤمنین)''نماز میں خشوع کو وہی مقام حاصل ہے جو جسم میں روح کو حاصل ہے''۔

یعنی خشوع نماز کی روح ہے۔جس طرح روح کے بغیر جسم کی کوئی حیثیت نہیں،اسی طرح خشوع سے خالی نماز کی بھی کوئی وقعت نہیں ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا:اے اللہ کے رسول!مجھے کوئی مختصر اور جامع نصیحت کیجیے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلَاتِكَ فَصَلِّ صَلَاةَ مُوَدِّعٍ۔(ابن ماجہ:کتاب الزھد: ۴۳۱۰)

''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ تو اس(خشوع کے ساتھ)نماز پڑھو گویا کہ یہ تمھاری زندگی کی آخری نماز ہے''۔

امام ابن کثیرؒ نے حضرت حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں:

کَانَ خُشُوْعُھُمْ فِیْ قُلُوْبِھِمْ ،فَغَضُّوْا بِذٰلِكَ أَبْصَارَھُمْ وَخفَضُوا الْجَنَاحَ ۔

''اہلِ ایمان کے دل خشوع اور خضوع سے معمور ہوتے ہیں،جس کی وجہ سے ان کی نگاہیں جھکی ہوی ہوتی ہیں اور ان کے باز و نرم ہو جاتے ہیں''۔

۴۔<u>نماز پر مداومت کی جائے</u>:نماز کا فائدہ اسی وقت ہوگا،جب اس پر مداومت کی جائے۔ مومنوں کی ایک صفت یہ بتائی گئی کہ وہ نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں:

لَا تَنْفَعُ الصَّلَاۃُ اِلَّامَنْ أَطَاعَھَا ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُاللّٰہِ:اِنَّ الصَّلَاۃَ... ۔(تفسیر ابن کثیر: العنکبوت:۴۵)''نماز اسی کو فائدہ پہنچاتی ہے جو اس کی پابندی کرتا ہے۔پھر آپؓ نے سورۂ عنکوت کی یہی آیت تلاوت فرمائی۔

نماز پر مداومت کرنے والا ایک نہ ایک دن ضرور برائیوں سے باز آجاتا ہے۔حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:ایک شخص نے آکر اللہ کے رسول ﷺ سے شکایت کی کہ فلاں آدمی رات بھر نماز پڑھتا ہے اور جب صبح ہوتی ہے تو چوری بھی کرتا ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:سینھاہ ماتقول ۔''اس کی یہ نماز اس کو اس برائی سے روک دے گی جس کا تم ذکر کر رہے ہو''۔(مسند احمد)

۵۔<u>نماز اطمینان سے ادا کرنا</u>:نماز سکون واطمینان کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔جو نماز اطمینان سے خالی ہو،وہ حقیقت میں نماز ہی نہیں ہے،اور ایسی نماز نہ برائیوں سے روکتی ہے اور نہ نیکیوں پر آمادہ

کرتی ہے۔آپ ﷺ نے اس شخص کو سب سے بدترین چور قرار دیا جس کی نماز سکون واطمینان سے خالی ہو۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

أَسْوَأُ النَّاسِ سَرِقَةً اَلَّذِیْ یَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ ،قَالُوْا:یَارَسُوْلَ اللّٰهِ!کَیْفَ یَسْرِقُ مِنْ صَلَاتِهِ ؟قَالَ : لَایُتِمُّ رُکُوْعَهَاوَلَاسُجُوْدَهَا أَوْ قَالَ لَایُقِیْمُ صُلْبَهُ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ ۔(صحیح الترغیب والترھیب:باب الترھیب من عدم إتمام الرکوع:۵۲۴)

''سب سے بُرا چور وہ ہے جو اپنی نماز سے چراتا ہے۔صحابہؓ نے پوچھا:نماز سے چوری کرنے کا کیا مطلب ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو رکوع اور سجدے ٹھیک سے نہیں کرتا وہ حقیقت میں نماز کا چور ہے''۔

ایسی نماز کو منافق کی نماز قرار دیا گیا ہے۔حضرت انسؓ سے مروی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا:

تِلْكَ صَلَاةُ الْمُنَافِقِ یَجْلِسُ یَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰی اِذَاکَانَتْ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ قَامَ فَنَقَرَهَا أَرْبَعًا لَایَذْکُرُاللّٰهَ فِیْهَا اِلَّاقَلِیْلاً ۔(مسلم:باب استحباب التکبیر بالعصر:۱۴۴۳)''منافق کی نماز کا حال یہ ہے کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے۔جب وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان سے طلوع ہونے لگتا ہے تو فوراً چار ٹھونگ مارتا ہے۔وہ اللہ کو بہت کم یاد کرتا ہے''۔

اسی طرح نماز کو آتے ہوئے بھی سکون واطمینان کے ساتھ آنا چاہیے۔نماز کے لیے دوڑ کر آنا نماز کی روح کے خلاف ہے۔حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺ کے ساتھ نماز ادا کر رہے تھے۔آپ ﷺ نے لوگوں کی کھٹ پھٹ سنی تو نماز کے بعد پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے؟ لوگوں نے جواب دیا: ہم نماز کی طرف دوڑ کر آ رہے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا:''ایسا نہ کرو،جب تم نماز کے لیے آؤ تو سکون واطمینان کے ساتھ آؤ۔جو نماز مل جائے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے ،اسے بعد میں پوری کرلو''۔(مسلم:باب استحباب اتیان الصلاۃ بوقار و سکینة:1393)

یہ چند ایسے اسباب ہیں جن کو اپنانے سے مومن کی نماز ،حقیقی نماز ہوگی۔اور ایسی ہی نماز مومن کو برائیوں سے روکنے کا ذریعہ بنے گی۔موجودہ دور میں نمازیوں کی تعداد میں ماشاءاللہ اضافہ ہو رہا ہے مگر روحِ نماز کی طرف توجہ کم ہے۔علامہ اقبال نے نمازیوں کی حالتِ زار کی ترجمانی یوں کی ہے:

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصاف حجازی نہ رہے

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم نماز کے اہتمام کے ساتھ ساتھ اس کی روح خشوع وخضوع کی طرف بھی توجہ دیں۔ ہماری نمازیں اتنی موثر ہوں کہ وہ ہمیں برائی سے بچانے والی ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نمازوں کا جائزہ لینے اوران کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ○○○

جمعہ، اہمیت اور آداب

ہفتے کے سات دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

خَیْرُیَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ ۔(مسلم) ''سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے، وہ جمعہ کا دن ہے''۔

یہ ایک ہفتہ واری اجتماع ہے، جس میں لوگ کثیر تعداد میں مسجد میں جمع ہوتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی عید کا دن ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ هٰذَا یَوْمُ عِیْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ لِلْمُسْلِمِیْنَ ۔(ابن ماجہ:) ''اس دن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے عید کا دن بنایا ہے''۔

یہ دن عید الفطر اور عید الاضحیٰ سے بھی زیادہ افضل ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

اِنَّ یَوْمَ الْجُمُعَةِ سَیِّدُالْاَیَّامِ وَاَعْظَمُهَا عِنْدَاللّٰهِ وَهُوَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ یَوْمِ الْاَضْحیٰ وَیَوْمِ الْفِطْرِ ۔(سنن ابن ماجہ، رقم:۱۰۹۸) ''جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے۔ یہ اللہ کے نزدیک عظمت والا دن ہے، اور عید الفطر و عید الاضحیٰ سے بھی زیادہ افضل ہے''۔

سب سے پہلا جمعہ، ہجرت کے موقع پر مدینہ کے قریب ایک بستی میں ادا کیا گیا۔ جب رسول اکرم ﷺ نے مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کا رخ کیا، تو مدینہ کے قریب بنو عمرو بن عوف کی بستی میں جس کا نام ''قبا'' ہے، چند دن قیام فرمایا۔ روانہ ہونے سے ایک دن قبل یعنی جمعرات کے دن یہاں پر ایک مسجد کی بنیاد رکھی، جسے ''مسجدِ قبا'' کہا جاتا ہے۔ دوسرے دن یہاں سے روانہ ہوے۔ جب بنو سالم بن عوف کی بستی میں پہنچے تو نمازِ جمعہ کا وقت ہو چکا تھا۔ آپ نے اسی مقام پر نمازِ جمعہ ادا کی۔ یہ سب سے پہلا جمعہ تھا جو آپ نے پڑھایا۔

اس دن کی بہت ساری خصوصیات ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اسی دن اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کیا، اسی دن جنت میں بسایا، اسی دن انھی دنیا میں بھیجا گیا، اور اسی دن قیامت قائم ہوگی''۔(مسلم)

جمعہ کا دن اس امت کے لیے اللہ کا انعام اور عطیہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

نَحْنُ الْآخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۔''ہم دنیا میں سب سے آخر میں آئے مگر قیامت میں سب سے آگے ہوں گے۔ یہود ونصاریٰ کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی اور ہم کو ان کے بعد۔فَھٰذَا الْیَوْمُ الَّذِیْ اخْتَلَفُوْا فِیْہِ فَھَدَانَا اللّٰہُ ۔اس دن کے بارے میں انھوں نے اختلاف کیا، اللہ نے ہمیں اس کی طرف رہنمائی فرمائی۔ یہودیوں نے ہفتہ کے دن کو منتخب کیا، نصاریٰ نے اتوار کے دن کو....۔(بخاری:۳۴۸۶)

اس دن کی عبادتوں کا اہتمام کرنے سے پچھلے ایک ہفتہ کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتُنِبَ الْكَبَائِرُ . (مسلم:باب الصلوات الخمس والجمعة الی الجمعة: ۵۷۲)''پنج وقتہ نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک (کی جانے والی عبادتیں اور نیک اعمال) ان کے مابین ہونے والے (چھوٹے چھوٹے) گناہوں کو مٹادیتے ہیں، بشرطے کہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے''۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

جمعہ کے دن تین طرح کے لوگ مسجد میں حاضر ہوتے ہیں۔ایک بے مقصد حاضر ہوتا ہے، اس کے حصے میں یہی چیز آئے گی۔دوسرا مسجد میں حاضر ہوکر دعا اور مناجات میں مصروف ہوجاتا ہے۔اللہ چاہے تو اس کو عطا کرے، چاہے تو محروم کردے۔اور تیسرا شخص پورے سکون واطمینان کے ساتھ مسجد میں داخل ہوتا ہے او رخاموشی کے ساتھ خطبہ سنتا ہے۔نہ لوگوں کی گردنیں پھاندتے ہوئے آگے بڑھتا ہے اور نہ کسی کو تکلیف دیتا ہے تو اس کے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور مزید تین دن کے (صغیرہ) گناہ معاف کردیے جاتے ہیں''۔(ابوداؤد:باب الکلام والامام یخطب)

جو مسلمان اس دن انتقال کرجائے وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللّٰهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ ۔

(ترمذی) ''جومسلمان جمعہ کے دن صبح میں یا رات میں انتقال کر جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنے سے محفوظ رکھے گا''۔

اس دن کے چند آداب اور اعمال یہاں پیش کیے جا رہے ہیں، جن کا خیال رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

(۱) غسل کرنا، اچھے کپڑے پہننا، اور خوش بو، سرمہ اور تیل لگانا: رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

غُسُلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلىٰ كُلِّ مُحْتَلِمٍ. (ابوداوٗد:باب فی الغسل یوم الجمعة) ''جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ مسلمان پر ضروری ہے''۔

ابتدائے اسلام میں غسل واجب اور ضروری تھا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ پسینے کی وجہ سے مسجد میں آنے والوں کو تکلیف پہنچتی تھی۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ عراق کے رہنے والے کچھ لوگ حضرت ابن عباسؓ کے پاس آئے اور جمعہ کے غسل کے بارے میں دریافت کرنے لگے کہ کیا جمعہ کا غسل ضروری ہے؟ آپؓ نے فرمایا: نہیں! البتہ یہ بہتر ہے اور نہانے والے کے لیے پاکی کا باعث ہے۔ اور غسل نہ کرنے والے پر کوئی حرج نہیں۔ میں تمھیں غسل کی حقیقت بتاتا ہوں کہ اس کی ابتدا کیسے ہوئی؟ عہدِ اول میں لوگ اس قدر غریب تھے کہ اونی کپڑے پہنتے اور محنت مزدوری میں پیٹھ پر بوجھ لاد کر لاتے تھے۔ مسجد بہت ہی تنگ اور اس کی چھت بہت پست تھی۔ وہ تو بس کھجور کی شاخوں کا ایک چھپر تھا۔ ایک مرتبہ گرمی کے موسم میں آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ گرمی کی شدت اور اونی لباس کی وجہ سے لوگ پسینے سے شرابور ہو گئے، اور مسجد میں بدبو پھیلنے لگی۔ بدبو کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف ہونے لگی۔ جب آپ ﷺ نے یہ صورت حال دیکھی تو فرمایا: جب جمعہ کا دن ہو تو تم غسل کر لیا کرو اور خوشبو اور تیل لگا لیا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: کہ پھر لوگوں کے حالات بدل گئے اور وہ اونی کپڑوں کی بجائے دوسرے بہتر کپڑے پہننے لگے اور محنت و مشقت کے وہ کام بھی ختم ہو گئے، مسجد بھی کشادہ ہو گئی اور پسینہ کی شکایت بھی باقی نہیں رہی جس سے کہ دوسروں کو تکلیف پہنچتی تھی۔ (ابوداوٗد:باب فی الرخصة فی ترك الغسل یوم الجمعة)

بعد میں اگر چہ غسل کی فرضیت ساقط ہو گئی، البتہ غسل کرنے اور خوشبو، سرمہ اور تیل لگانے اور لوگوں کو تکلیف پہنچانے والے امور سے اجتناب کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حضرت سلمان

فارسیؓ سے روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص جمعہ کے دن غسل کرے اور جس قدر ممکن ہو صفائی اختیار کرے اور تیل لگائے یا گھر کی خوشبو میں سے کوئی چیز استعمال کرے، پھر مسجد کی طرف نکلے اور دو آدمیوں کے درمیان مسجد میں گھس کر نہ بیٹھے، پھر جس قدر نماز اس کی قسمت میں ہو ادا کرے، پھر جب امام خطبہ دے تو خاموش بیٹھا رہے تو اس کے وہ تمام (صغیرہ) گناہ جو ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اس نے کیے ہیں، معاف کر دیے جاتے ہیں''۔ (بخاری: باب لا یفرق بین اثنین یوم الجمعة)

۲۔ <u>جلد سے جلد مسجد میں حاضر ہونا</u>: جمعہ کے دن مسجد میں جلد آنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص پہلی گھڑی میں مسجد میں آئے گا اسے ایک اونٹ قربانی کرنے کا ثواب ملے گا۔ جو دوسری گھڑی میں آئے گا اسے گائے کی قربانی کا، جو تیسری گھڑی میں آئے گا اسے بکری کی قربانی کا، جو چوتھی گھڑی میں آئے گا اسے مرغی صدقہ کرنے کا اور جو پانچویں گھڑی میں آئے گا اسے انڈا صدقہ کرنے کا اجر وثواب ملے گا۔ پھر جب خطیب منبر پر چڑھ جاتا ہے تو اپنے دفتر لپیٹ لیتے ہیں، اور مسجد میں داخل ہو کر خطبہ سننے لگتے ہیں''۔ (بخاری: 841)

۳۔ <u>نفل نمازوں کا امکان بھر اہتمام کرنا</u>: یہ نیکیوں کے اہتمام کا دن ہے۔ اس لیے اس دن مسجد میں جلد سے جلد حاضر ہونا چاہیے اور خطبہ شروع ہونے تک جتنا میسر ہو سکے، نوافل کا اہتمام کرنا چاہیے۔ ایک حدیث میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

جس قدر نماز پڑھ سکتا ہو، پڑھے۔ (بخاری، باب لا یفرق بین اثنین یوم الجمعۃ)

اور اگر وقت کم ہو تو کم سے کم دو رکعت ادا کرے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَدْ خَرَجَ الْإِمَامُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ۔

(مسلم) ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اُس وقت آئے، جب امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعت نماز ادا کرے''۔

ایک شخص دورانِ خطبہ مسجد میں داخل ہوا اور نماز پڑھے بغیر بیٹھ گیا تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اٹھو، دو رکعت نماز ادا کرو۔ (بخاری:۹۳۱)

جمعہ کے بعد دو یا چار رکعت نماز پڑھنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

يُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهِ ۔(متفق علیہ) ''اللہ کے نبی ﷺ جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے''۔

مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا:

اِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمُ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ ۔(مسلم) ''جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ اس کے بعد چار رکعت (نفل) پڑھے''۔

۴۔ خطبہ ادب اور خاموشی کے ساتھ سننا: جمعہ کے دن کی سب سے اہم عبادت خطبۂ جمعہ اور نمازِ جمعہ ہے۔ یہ ایسا ہفتہ واری اجتماع ہے جس میں لوگوں کے عقیدہ و عبادت اور اعمال و اخلاق کی اصلاح کی جاتی ہے، ان کی انفرادی اور اجتماعی خامیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں ان کی رہ نمائی کی جاتی ہے، جنت کا شوق اور جہنم کا خوف دلایا جاتا ہے، ان کے ایمان کو جلا بخشا جاتا ہے اور عمل کا شوق اور جذبہ بیدار کیا جاتا ہے۔ غرض یہ ہفتہ واری اجتماع امت کی اصلاح و تربیت کا ذرین کا موقع ہے، جس میں حاضر ہونا ہر مسلمان کا ایمانی فریضہ ہے۔

خطبۂ جمعہ کا مقصد نصیحت اور یاددہانی ہے، اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ پورے غور کے ساتھ خطبہ سنے اور نصیحت حاصل کرے۔

۵۔ کثرت سے ذکر کرنا: جمعہ کا دن عبادات کا دن ہے۔ اس دن کی ایک اہم عبادت ذکر و اذکار کا اہتمام ہے۔ اس دن کثرت سے اللہ کے ذکر میں مشغول رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔(الجمعۃ:۱۰) ''پھر جب نماز (جمعہ) پوری ہو چکے تو (اس وقت تم کو اجازت ہے کہ) تم زمین پر چلو پھرو، اور اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو، تاکہ تم فلاح پاؤ''۔

۶۔ دعا کا اہتمام کرنا: جمعہ کے دن دعا کرنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دن

دعا کی مقبولیت کا ایک وقت رکھا ہے۔اس میں جو بھی دعا کی جائے ،اللہ اسے ضرور قبول فرماتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

ذَكَرَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ :فِيْهِ سَاعَةٌ لَايُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ وَهُوَقَائِمٌ يُصَلِّيْ يَسْأَلُ اللّٰهَ شَيْئًا اِلَّااَعْطَاهُ اِيَّاهُ وَأَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِﷺ بِيَدِهٖ يُقَلِّلُهَا ۔(احمد، بخاری)

''رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ کوئی بھی مسلمان کھڑے ہوکر نماز پڑھتے ہوئے اس کو پالے اور اللہ سے جو بھی چیز مانگے ،اللہ اسے وہ چیز عطا کرتا ہے۔آپ ﷺ نے اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ وقت بہت ہی مختصر ہے''۔

ایک دوسری روایت میں ہے:

فَالْتَمِسُوْهَا آخِرَ سَاعَةٍ بَعْدَالْعَصْرِ ۔(ابوداؤد)''اس کو عصر کے بعد کی آخری گھڑی میں تلاش کرو''۔

۷۔<u>سورۂ کہف کی تلاوت</u>:اس دن سورۂ کہف پڑھنے کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے۔حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ سُوْرَةُ الْكَهَفِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّوْرِ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ ۔(بیہقی)''جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کرے گا،اس کے لیے ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ایک نور عطا کیا جاتا ہے''۔

۸۔<u>نبی کریم ﷺ پر درود</u>:اس دن کا ایک اہم عمل رسول اکرم ﷺ پر درود بھیجنا ہے۔حضرت اوس بن اوسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيْهِ النَّفَخَةُ وَفِيْهِ الصَّعِقَةُ فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ۔فَاِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ ۔(ابن ماجہ)

''تمھارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔اسی دن آدمؑ کی تخلیق ہوی،اسی دن صور میں پھونکا جائے گا،اسی دن لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔لہٰذا تم مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔تمھارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے''۔

<u>محظورات</u>: کچھ کام ایسے ہیں جن سے اس مبارک دن میں اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۔ جمعہ ترک کرنا: جو لوگ بغیر کسی عذر کے شریکِ جمعہ نہیں ہوتے ان کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے منبر کی سیڑھیوں پر فرمایا:

لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَلَيَكُوْنَنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ ۔(ابن ماجہ) ''لوگ جمعہ ترک کرنے سے باز آجائیں، ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا اور وہ غافلوں میں سے ہوجائیں گے''۔

مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ آیا۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ کو خطبہ دیتے ہوئے چھوڑ کر چلے گئے تو انھیں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْا إِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ ۔(الجمعۃ:۱۱) ''اور (بعض لوگوں کا یہ حال ہے کہ) وہ لوگ جب کسی تجارت یا مشغولی کی چیز کو دیکھتے ہیں تو وہ اس کی طرف دوڑنے کے لیے بکھر جاتے ہیں، اور آپ کو کھڑا ہوا چھوڑ جاتے ہیں۔ آپ فرمادیجیے کہ جو چیز (از قسم قرب وثواب) اللہ کے پاس ہے وہ ایسے مشغلے اور تجارت سے بدرجہا بہتر ہے، اور اللہ سب سے اچھا روزی پہنچانے والا ہے''۔

۲۔ جمعہ کے وقت خرید وفروخت کرنا: پچھلی امتوں کے لیے بھی ہفتہ میں ایک دن مقدس تھا مگر ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ اپنے کاروبار اور دنیوی مصروفیات کو ترک کرکے پورا دن اللہ کی عبادت میں مصروف ہوجائیں۔ اس امت پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ اس نے تخفیف کردی اور پورے دن کی بجائے صرف جمعہ کے وقت کاروبار اور دنیوی مصروفیات سے باز رہنے اور عبادت میں مصروف ہونے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا إِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔(الجمعۃ:۹) ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز نماز (جمعہ) کے لیے اذان کہی جایا کرے تو تم اللہ کی یاد (یعنی نماز وخطبہ) کی طرف (فوراً) چل پڑا کرو، اور خرید وفروخت (اوراسی طرح دوسرے مشاغل جو چلنے سے مانع ہوں) چھوڑ دیا کرو۔ یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر

ہے اگر تم کو کچھ سمجھ ہو‘‘۔

۳۔لوگوں کی گردنیں پھاند کرآگے جانا : مسجد اور مجلس کے آداب میں سے ایک اہم ادب یہ ہے کہ جہاں جگہ مل جائے، وہیں بیٹھنا چاہیے۔لوگوں کی گردنیں پھلاند کرآگے جانا، یا کسی کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھنا درست نہیں ہے۔االلہ کے رسول ﷺ نے اس طرح کرنے سے منع فرمایا۔ارشاد ہے:

لَایُقِیْمَنَّ اَحَدُکُمُ الرَّجُلَ مِنْ مَجْلِسِهٖ ثُمَّ یَجْلِسُ فِیْهِ . (مسلم:باب تحریم الإقامة الإنسان من موضعه)’’تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر نہ بیٹھے‘‘۔

کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ تاخیر سے مسجد پہنچتے ہیں اور اگلی صفوں میں بیٹھنا بھی چاہتے ہیں۔اس کے لیے انھیں لوگوں کی گردنیں پھلاند کرآگے بڑھنا پڑتا ہے۔ان کی اس حرکت سے دوسروں کو جو تکلیف ہوتی ہے اس کا احساس بھی انھیں نہیں ہوتا۔حضرت عبداللہ بن بسرؓ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن ایک شخص دورانِ خطبہ لوگوں کی گردنیں پھلانگتا ہوا آرہا تھا۔آپ ﷺ نے فرمایا:

اِجْلِسْ فَقَدْ آذَیْتَ. (ابوداؤد:باب تخطی رقاب الناس یوم الجمعة)’’بیٹھ جاؤ، تم نے دوسروں کو تکلیف دی‘‘۔

اسلاف کرامؒ دوسروں کے آرام اور راحت کا کس قدر اہتمام کرتے اور تکلیف پہنچانے کو کتنا بڑا جرم سمجھتے تھے، اس کا اندازہ ان اقوال سے لگایا جاسکتا ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

لَاَنْ اُصَلِّیَ بِالْحَرَّةِ اَحَبُّ اِلَیّ مِنْ اَنْ اَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ. (مصنف ابن ابی شیبۃ:باب فی تخطی الرقاب یوم الجمعة)’’جمعہ کے دن گرم اور جلتے ہوئے صحن میں نماز پڑھنا میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے اس بات سے کہ لوگوں کی گردنیں پھاندتے ہوئے آگے بڑھوں‘‘۔

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں:

لَاَنْ اَدَعَ الْجُمُعَةَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ اَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ. (مصنف ابن ابی شیبۃ:باب فی تخطی الرقاب یوم الجمعة)’’مجھے جمعہ ترک کردینا

گوارا ہے، مگر یہ گوارا نہیں کہ جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں پھاندتا ہوا آگے بڑھوں''۔

جمعہ کے دن جہاں نمازیوں کو ایک دوسرے سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہیں خطیب سے بھی تکلیف پہنچنے کا قوی امکان رہتا ہے۔ اس لیے خطیب کو ہدایت دی گئی کہ وہ اپنا خطبہ مختصر کرے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے :

اِنَّ طُوْلَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مِئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهٖ فَاَطِيْلُوا الصَّلَاةَ وَاَقْصِرُوا الْخُطْبَةَ۔ (صحیح ابن خزیمہ: باب استحباب تقصير الخطبة وترك تطويلها) ''لمبی نماز پڑھانا اور مختصر خطبہ دینا آدمی کی دین داری اور سمجھ داری کی علامت ہے۔ چناں چہ تم بھی نماز طویل کرو اور خطبہ مختصر کرو''۔

حضرت جابر بن سمرہ سوائیؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يُطِيْلُ الْمَوْعِظَةَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِنَّمَاهُنَّ كَلِمَاتٌ يَسِيْرَاتٌ ۔(ابوداؤد: باب اِقصار الخطب) ''رسول اکرم ﷺ جمعہ کے دن طویل وعظ نہیں فرماتے تھے، بلکہ وہ چند مختصر سے کلمات ہوا کرتے تھے''۔

۴۔ <u>لغو باتوں سے اجتناب کرنا</u>: جمعہ کے دن ایک مسلمان کی پوری توجہ عبادات پر ہونی چاہیے۔ خصوصًا خطبہ جب شروع ہو تو پوری توجہ کے ساتھ اُسے سننا چاہیے کہ یہ بھی عبادت ہے، اور اس دوران ہر قسم کے لہو ولعب سے بچنا چاہیے، ورنہ جمعہ کے ثواب سے محروم ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِصَاحِبِهٖ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ أَنْصِتْ فَقَدْ لَغَا۔ (بخاری) ''جس شخص نے اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن یہ کہا، جب کہ امام خطبہ دے رہا ہو: ''خاموش ہو جاؤ''، تو اس نے فضول کام کیا''۔

موجودہ دور میں جمعہ کے دن کی اہمیت اور اس کی مصروفیات کو لے کر جتنی سنجیدگی اور اہتمام ہونا چاہیے وہ ہمارے یہاں کم ہی پایا جاتا ہے۔ اس وجہ سے جمعہ کا دن بھی عام دنوں کی طرح گزارا جاتا ہے۔ یہ غفلت ختم ہونی چاہیے۔ جمعہ کا دن اللہ کا ایک انعام ہے۔ اس انعامِ الٰہی کی قدر ہونی چاہیے اور اس کا صحیح استعمال کیا جانا چاہیے کہ اسی میں دونوں جہاں کی سرخ روئی ہے۔ ○○○

سورج اور چاند گرہن

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی دو عظیم مخلوق ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انھیں انسان اور جاندار کے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔ان سے روشنی حاصل ہوتی ہے۔انسانوں اور دیگر جانداروں کی زندگی اور صحت پران کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔سورج کی دھوپ اور گرمی بہت سے مہلک امراض سے محفوظ رکھتی ہے۔جسمانی نشو ونما میں، پھل پودوں کے اگنے میں، سورج کی دھوپ اور روشنی کا اہم کردار ہے۔سحری اور افطار کا اوقات اور، نماز کے اوقات وغیرہ اسی سے معلوم کیے جاتے ہیں۔

چاند سے ماہ وسال کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔رمضان کے روزے، ایام بیض کے روزے، حج کے ایام، تاریخوں اور مہینوں کا حساب، عہد ومعاہدہ اور وعدوں کی میعاد اور عورتوں کی عدت معلوم ہوتی ہے سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔هُوَالَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَالسِّنِیْنِ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِیْلًا۔(یونس:5)''وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا اور چاند کو روشن بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کردیں تا کہ تم سالوں کی گنتی اور (مہینہ اور دن کا) حساب جان سکو''۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۔ (البقرۃ:189)''لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ یہ لوگوں کے اوقات کی تعیین اور حج کے وقت کی تعیین کا ذریعہ ہے''۔

سورج اور چاند اپنے رب کے تابع فرمان ہیں۔سورۂ یٰس میں فرمایا گیا:وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ۔ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ۔(یٰس:39.38)''اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا رہتا ہے۔یہ نظام اس اللہ کا بنایا ہوا ہے جو بڑا زبردست، سب کچھ جاننے والا ہے۔اور چاند کی ہم نے منزلیں مقرر کردی ہیں (جن سے وہ گزرتا ہے) یہاں تک کہ وہ آخر میں کھجور کی قدیم پتلی شاخ کی مانند ہو جاتا ہے''۔

سورج اور چاند ہر دن وقت مقرر پر طلوع ہوتے ہیں اور وقتِ مقرر پر غروب ہوتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی سرِ موانحراف نہیں کرتا۔ فرمایا گیا: لَاالشَّمْسُ يَنبَغِيْ لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَسْبَحُوْنَ ۔(یٰس:40) ''نہ سورج کے لیے ممکن ہے کہ وہ چاند کو پالے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔ اور ہر ایک اپنے اپنے دائرے میں گردش کر رہے ہیں''۔

سورج ہر دن طلوع ہونے سے قبل اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر سجدہ ریز ہوتا ہے اور طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ جب اجازت ملتی ہے تو مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔ اس کا یہ عمل قیامت تک جاری رہتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرنا چاہے گا تو سورج سے کہے گا کہ جہاں سے آئے ہو، وہیں سے واپس ہو جاؤ تو اس دن سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ یہ قربِ قیامت کی علامت ہوگی۔

سورج اور چاند بھی اپنے معبودِ حقیقی کی عبادت کرتے ہیں۔ فرمایا گیا: أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۔(الحج:18) ''کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ وہ تمام مخلوقات جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سورج اور چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے انسان اللہ کے لیے سجدہ کر رہے ہیں اور بہت سے انسانوں کے لیے عذاب لازم ہوگیا ہے''۔

طاؤس بن کیسان ایک جلیل القدر تابعی ہیں، ایک مرتبہ انھوں نے دیکھا کہ چاند گرہن لگا ہوا ہے تو وہ رونے لگے اور فرمایا: یہ ہم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے''۔

دنیا میں بعض نادان لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو ہر مفید اور فائدہ مند چیز کو خدا سمجھتے اور ان کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ سورج اور چاند میں اللہ تعالیٰ نے جو فائدے رکھے ہیں، ان کی وجہ سے ایک بڑا طبقہ ان کو معبود سمجھ کر ان کی عبادت کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اس نظریے کی تردید کی گئی اور فرمایا گیا کہ سورج اور چاند معبود نہیں، بل کہ معبودِ حقیقی کی عظیم مخلوق ہیں۔ عبادت تو اس کی کرنی چاہیے جس نے ان کو پیدا کیا۔ سورۂ حٰم السجدہ میں فرمایا گیا: لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا

لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۔(حم السجدہ:37)''اوراس کی نشانیوں میں رات اوردن اورسورج اورچاند ہیں۔لوگو!تم سورج کوسجدہ نہ کرواورنہ چاندکو۔اوراس اللہ کوسجدہ کروجس نے انھیں پیداکیاہے۔اگرتم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو''۔

اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کی عظمت اورمخلوقات کی بے بسی ظاہرکرنے کے لیےکبھی کبھارسورج اورچاند کی روشنی کوچھین لیتاہے،جس سے ان کوگرہن لگ جاتاہے۔سورج اورچاند کے گرہن کے بارے میں لوگوں کےمختلف نظریات اورخیالات پائے جاتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کایہ عقیدہ تھاکہ کسی بڑے آدمی کے مرنے یاپیداہونے کی وجہ سے سورج یاچاندکوگرہن لگتاہے۔رسول اکرمﷺ کےزمانے میں جب سورج کوگرہن لگاتواتفاق سےاسی دن آپﷺ کے بیٹے ابراہیم کاانتقال ہوگیاتھا۔لوگ کہنے لگے:ابراہیم کےانتقال کی وجہ سےسورج کو گرہن لگا۔آپ نےاس باطل عقیدے کی تردیدکرتے ہوئےفرمایا:اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آیَتَانِ مِنْ آیَاتِ اللّٰهِ لَایَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍوَلَا لِحَیَاتِهِ ۔(بخاری:3204)''سورج اورچانداللہ کی نشانیوں میں سے دونشانیاں ہیں،کسی کےفوت ہونے یاکسی کے پیداہونے پرانھیں گرہن نہیں لگتا''۔

موجودہ دورمیں گرہن کی مادی اورسائنسی توجیہ کی جاتی ہے۔ماہرینِ فلکیات کاکہناہے کہ جب سورج اورچاند کےدرمیان زمین آجاتی ہےتوچاندکوگرہن لگتاہےاورجب سورج اورزمین کےدرمیان چاندآجاتاہےتوسورج کوگرہن لگتاہے۔اس طرح کی مادی توجیہات کے ذریعے اصل مقصد سے غافل ہوجاتے ہیں۔

جہالت اورنادانی کی وجہ سےبعض بے بنیادباتیں بھی لوگوں کےدرمیان رائج ہیں۔کہاجاتاہے کہ چاندگرہن کےوقت اگرحاملہ عورت گھرسے باہرنکلے یاچاقواستعمال کرےتوپیداہونے والے بچے کاہونٹ کٹاہواہوتاہے۔اسی طرح یہ بھی کہاجاتاہے کہ اس موقع پرعورتوں کوپھول پہننا،بناؤسنگھار کرنا،خوشبولگانا،مہندی لگانانہیں چاہیے۔یہ سب توہمات ہیں حقیقت سےان کاکوئی تعلق نہیں۔

سورج اورچاندکے بارے میں اسلام نے بہت سی واضح تعلیمات دی ہیں۔سب سے پہلی

بات یہ ہے کہ یہ اللہ کی مخلوق ہیں۔اوراس کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں۔

ان نشانیوں کا مقصد کیا ہے؟ قرآن مجید میں ان نشانیوں کا مقصد دلوں میں خوف پیدا کرنا بتایا گیا ہے۔فرمایا گیا:وَمَا نُرسِلُ بِالآیَاتِ اِلَّا تَخوِیفًا ۔(الاسراء:59)''ہم ایسی نشانیاں لوگوں کو ڈرانے کے لیے بھیجا کرتے ہیں''۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے: اِنَّ هٰذِهِ الآیَاتِ الَّتِیُ یُرسِلُ اللّٰهُ لَا تَکُونُ لِمَوتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَیَاتِهِ وَلٰکِنِ اللّٰهُ یُرسِلُهَا یُخَوِّفُ بِهَا عِبَادَه ۔(نسائی)''یہ نشانیاں اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے، کسی کی موت یا زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔بل کہ اللہ تعالیٰ ان نشانیوں کے ذریعے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے''۔

اس طرح کی نشانیوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی نافرمانی اور ناراضی سے ڈراتا ہے، کیوں کہ گناہ اور معاصی مصیبتوں اور آفتوں کا سبب ہیں، سورۂ روم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:ظَهَرَ الفَسَادُ فِی البَرِّ وَالبَحرِ بِمَا کَسَبَتُ أَیدِی النَّاسِ ۔(الروم:41)''خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے ان گناہوں کی وجہ سے جو لوگوں نے کیے ہیں''۔

حق کو واضح کرنا:ان نشانیوں کا ایک مقصد لوگوں کے سامنے حق واضح کرنا ہے۔سورۂ حم السجدہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:سَنُرِیهِمُ آیَاتِنَا فِی الآفَاقِ وَفِیُ أَنفُسِهِمُ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمُ أَنَّهُ الحَقُّ ۔(حم السجدہ:53)''ہم انھیں اپنی نشانیاں اطراف عالم میں اوران کی اپنی ذات میں دکھائیں گے، تا کہ یہ بات ان کے لیے واضح ہو جائے کہ قرآن (اللہ کی) برحق کتاب ہے''۔

یہ نشانیاں آخرت کی یاد دلاتی ہیں کیوں کہ قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ سورج اور چاند کو بے نور کردے گا۔جیسا کہ سورۂ قیامہ میں ارشاد ہے:فَاِذَا بَرِقَ البَصَرُ وَخَسَفَ القَمَرُ وَجُمِعَ الشَّمسُ وَالقَمَرُ ،یَقُولُ الاِنسَانُ یَومَئِذٍ أَینَ المَفَرُّ ،کَلَّا لَا وَزَرَ اِلٰی رَبِّکَ یَومَئِذٍ المُستَقَرُّ ۔(القیامہ:7..12)''جب آنکھ پتھرا جائے گی، چاند بے نور ہو جائے گا، سورج اور چاند جمع کردیے جائیں گے، اس دن انسان کہے گا: کہاں ہے بھاگنے کی جگہ، ہرگز نہیں، کوئی پناہ کی جگہ نہیں

ہوگی،اس دن آپ کے رب کے پاس ٹھہرنے کی جگہ ہوگی''۔

سورج اور چاند گرہن اور اسلامی تعلیمات:

جب سورج یا چاند کو گرہن لگتا تو اللہ کے رسول ﷺ پریشان ہو جاتے۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں:فَقَامَ النَّبِيُّ ﷺ فَزِعًا يُخْشىٰ أَنْ تَكُوْنَ السَّاعَةُ ۔(بخاری:)''رسول اکرم ﷺ گھبرائے ہوئے کھڑے ہوے،ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ قیامت قائم ہو جائے گی''۔

آپ اس قدر گھبرا گئے کہ حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ:كُسِفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَفَزِعَ فَأَخْطَأَ بِدِرْعٍ حَتّٰى أُدْرِكَ بِرِدَائِهِ ۔(مسلم:)''رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں سورج گرہن لگا۔آپ اس قدر گھبرائے ہوے تھے کہ گھبراہٹ میں قمیص کی بجائے چادر لیے دوڑے مسجد میں داخل ہوے''۔

اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ یہ اعمال کرتے اور کرنے کا حکم دیتے:

ا۔نماز:اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔کیوں کہ یہ اللہ کے تقرب کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔یہ دو رکعات عام رکعتوں سے مختلف ہوتیں۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:فَصَلّٰى بِهِمْ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ ۔(نسائی:)''آپ نے چار رکوع اور چار سجدوں کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کی''۔

اس کی تفصیل دوسری روایت میں یوں آئی ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:خُسِفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَأَمَرَ النَّبِيُّ ﷺ مُنَادِيًا يُّنَادِيْ أَنَّ الصَّلَاةَ جَامِعَةٌ فَاجْتَمَعُوْا وَاصْطَفُّوْا فَصَلّٰى بِهِمْ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِيْ رَكْعَتَيْنِ وَأَرْبَعَ سَجَدَاتٍ ۔''عہد نبوی میں سورج گرہن لگا تو رسول اکرم ﷺ نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ نماز کے لیے جمع ہونے کا اعلان کرے۔جب لوگ جمع ہو گئے اور صف بستہ ہو کر کھڑے ہو گئے تو آپ ﷺ نے انھیں دو رکعت نماز پڑھائی،جس میں چار رکوع اور چار سجدے کیے''۔(نسائی:باب الامر بالنداء لصلاۃ الکسوف)

اس نماز میں آپ ﷺ نے طویل قیام کیا۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:فَقَامَ قِيَامًا

طَوِیْلًا بِنَحْوٍ مِّنْ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ ۔(ابوداؤد)''آپ ﷺ نے سورۂ بقرہ کے برابر طویل قیام کیا''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: حَتّٰی تَجَلَّانِیَ الْغَشْیُ ۔''اتنا طویل قیام کیا کہ قریب تھا کہ مجھ پر بے ہوشی طاری ہوجاتی''۔(بخاری:86)

رکوع اور سجدہ بھی طویل کرتے تھے۔حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں: فَأَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِأَطْوَلِ قِیَامٍ وَرُکُوْعٍ وَسُجُوْدٍ وَرَأَیْتُهٗ یَفْعَلُهٗ فِیْ صَلَاتِهٖ ۔(بخاری ومسلم)''آپ ﷺ مسجد میں داخل ہوے،اور نماز پڑھائی،جس میں آپ ﷺ نے قیام،رکوع اور سجدے بہت طویل کیے''۔

حضرت عائشہؓ رکوع اور سجدے کا حال بیان کرتے ہوے فرماتی ہیں: مَا رَأَیْتُ رُکُوْعًا قَطُّ وَلَا سَجَدْتُّ سُجُوْدًا قَطُّ کَانَ أَطْوَلَ مِنْهُ ۔(نسائی)''میں نے آپ کو کبھی بھی اتنا طویل رکوع اور سجدہ کرتے ہوے نہیں دیکھا''۔

۲۔ذکر: مصائب ومشکلات میں اہلِ ایمان کو کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا گیا۔ذکر الٰہی کی برکت سے پریشانیاں دور ہوجاتی ہیں۔اسی لیے اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنے کی تعلیم دی۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: فَإِذَا رَأَیْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ ۔(نسائی)''جب تم دیکھو کہ (سورج یا چاند کو) گرہن لگا ہوا ہے تو اللہ کا ذکر کرو''۔

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں: جس دن سورج کو گرہن لگا، میں حضرت عائشہؓ کے پاس آئی۔اور ان سے دریافت کیا کہ لوگوں پر کیا مصیبت آ گئی کہ وہ اس حالت میں ہیں؟ انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ سورج کو گرہن لگا ہوا ہے،جس کی وجہ سے دعا ومناجات اور ذکر میں مشغول ہیں۔ وہ فرماتی ہیں کہ اس وقت حضرت عائشہؓ کی زبان پر یہ الفاظ تھے: سُبْحَانَ اللّٰهِ ۔یعنی وہ ذکر میں مشغول تھیں۔(بخاری)

۳۔دعا: اس موقع پر آپ نے دعا کا بھی حکم دیا: فَادْعُوا اللّٰهَ ۔(ابوداود) مصیبت کے موقع پر کی

جانے والی دعا اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے کیوں کہ یہ دعا پورے اخلاص کے ساتھ کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے مشرکین مکہ بھی جب کسی مصیبت میں گھر جاتے تو اپنے معبودانِ باطلہ کو چھوڑ کر الہٰ واحد کو پکارتے تو اللہ تعالیٰ ان کی دعائیں قبول فرماتا۔ مصیبت اور پریشانی کے اس موقع پر مومن بندہ دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔ اس لیے اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے دعا کرنے کا حکم دیا۔

۴۔ **توبہ اور استغفار:** اس موقع پر رسول اکرم ﷺ نے اپنے گناہوں کو یاد کر کے آہ وزاری کرنے اور اللہ سے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ بندہ اللہ کی ناراضی اور اس کی سزا سے بچ سکے۔ نسائی کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: فَاِذَا رَأَيْتُمْ مِّنْهَا شَيْئًا فَافْزَعُوا اِلٰى ذِكْرِهٖ وَدُعَائِهٖ وِاسْتِغْفَارِهٖ ۔(نسائی) ’’جب تم ان میں سے کوئی نشانی دیکھو تو اللہ کے ذکر، دعا و مناجات اور توبہ واستغفار کی طرف لپکو‘‘۔

۵۔ **صدقہ:** صدقہ اور خیرات بھی مصائب ومشکلات کو دور کرنے کا ایک اہم ذریعہ ہیں۔ اس مصیبت میں آپ ﷺ نے صدقہ کرنے کا بھی حکم دیا تا کہ یہ مصیبت ٹل جائے۔

۶۔ اس موقع پر اللہ کے رسول ﷺ نے غلام آزاد کرنے کی بھی تعلیم دی ہے۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں: كُنَّا نُؤْمَرُ عِنْدَ الْخُسُوْفِ بَالْعِتَاقَةِ ۔(بخاری: 2520) ’’(سورج اور چاند) گرہن کے موقع پر ہمیں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا جاتا تھا‘‘۔

۶۔ **وعظ ونصیحت:** اس موقع پر آپ ﷺ نے امت کو بہت سی نصیحتیں کیں۔ آپ ﷺ نے جاہلیت کی بہت سی رسومات اور باطل عقائد کی تردید کی، عذابِ قبر سے ڈرایا، جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذابات کا ذکر فرما کر آخرت شوق دلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّهُمَا آيَتَانِ مَنْ آيَاتِ اللّٰهِ فَاِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَصَلُّوا حَتّٰى يُفَرِّجَ عَنْكُمْ لَقَدْ رَأَيْتُ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا كُلَّ شَيْءٍ وُعِدْتُهٗ ۔حَتّٰى رَأَيْتُ أُرِيْدُ أَنْ آخُذَ قِطَفًا مِنَ الْجَنَّةِ حِيْنَ رَأَيْتُمُوْنِيْ جَعَلْتُ أَتَقَدَّمُ وَلَقَدْ رَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا حِيْنَ رَأَيْتُمُوْنِيْ أَخَّرْتُ وَرَأَيْتُ فِيْهَا عَمْرُو بْنُ لُحَيٍّ وَهُوَالَّذِيْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ ۔ (بخاری: 1212) ’’یہ دونوں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جب تم انھیں (گرہن لگا ہوا) دیکھو تو

نماز پڑھو، یہاں تک کہ یہ (گرہن) دور ہو جائے۔ میں نے اس مقام پر ہر اس چیز کو دیکھا جس کا مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے محسوس کیا کہ میں جنت کا خوشہ لینے کے لیے آگے بڑھ رہا ہوں، جس وقت تم نے مجھے آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔ میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کا بعض حصہ بعض کو کھائے جا رہا ہے، جس وقت تم نے مجھے پیچھے قدم ہٹاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے عمرو بن لحی کو جہنم میں (جلتے ہوئے) دیکھا، یہی وہ شخص ہے جس نے سائبہ (نامی بت) کی رسم ایجاد کی''۔

اس موقع پر خطبہ دیتے ہوئے آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ ـ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! وَاللّٰهِ! لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا ـ (نسائی) ''اے امتِ محمد یہ! اللہ سے زیادہ کوئی بھی غیرت مند نہیں کہ کوئی بندہ یا بندی زنا کرے (اور اللہ تعالیٰ غضب ناک نہ ہو)۔ اے امتِ محمد یہ! اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں تو ہنستے کم، روتے زیادہ''۔

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا بات ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کو ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے پھر ہاتھ کھینچ لیتے ہوئے دیکھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے جنت اور اس کی نعمتیں دکھائی گئیں۔ میں ان میں سے انگور کا ایک خوشہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ اگر میں وہ لے لیتا تو تم وہ کھاتے رہتے، دنیا ختم ہو جاتی مگر وہ انگور ختم نہ ہوتے۔ مجھے جہنم کے مناظر دکھائے گے، میں نے ایسے خوف ناک مناظر کبھی نہیں دیکھے۔ (نسائی)

صحیح بخاری کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ مِثْلًا أَوْ قَرِيْبًا مِّنْ فِتْنَةِ الدَّجَالِ يُؤْتىٰ أَحَدُكُمْ فَيُقَالَ: مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ: هُوَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَاءَ نَا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدىٰ فَأَجَبْنَا وَآمَنَّا وَاتَّبَعْنَا فَيُقَالُ لَهُ: نَمْ صَالِحًا فَقَدْ عَلِمْنَا أَنْ كُنْتَ لَمُوْقِنًا أَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ لَا أَدْرِيْ أَيَّتُهُمَا قَالَتِ الْأَسْمَاءُ ـ فَيَقُوْلُ لَاأَدْرِيْ ـ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ ـ (بخاری: 1053) '' بے شک تم اپنی قبروں میں ویسے ہی آزمائے جاؤ گے جیسے فتنۂ دجال کے موقع پر آزمائے جاؤ گے۔ تم میں سے ایک شخص کو

لایا جائے گا اور اس سے پوچھا جائے گا کہ اس شخص (محمد) کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ اگر مومن ہوگا تو کہے گا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ وہ ہمارے پاس واضح دلائل اور ہدایت لے کر آئے۔ ہم نے آپ کی دعوت قبول کی، آپ ﷺ پر ایمان لے آئے اور آپ کی اتباع کی۔ اس شخص سے کہا جائے گا: آرام سے سو جاؤ۔ ہم جانتے ہیں کہ تم اس دن پر یقین رکھنے والے تھے۔ اگر منافق ہوگا تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا۔ میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے ہوے سنا تو میں نے بھی کہہ دیا۔

یہ ہیں کچھ تعلیمات جن کی اس موقع پر رسول اکرم ﷺ نے رہ نمائی کی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

واقعۂ معراج، دروس ونصائح

ماہِ رجب ان چار مہینوں میں سے ہے جن کو قرآن مجید میں مقدس اور محترم قرار دیا گیا ہے۔ مشہور قول کے مطابق اسی مہینے میں اسراء اور معراج کا واقعہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ گھر میں آرام فرما رہے تھے، حضرت جبریلؑ تشریف لائے، آپ ﷺ کے سینے کو چاک کرکے دل کو نکالا، اور سونے کے طشت میں رکھ کر زمزم کے پانی سے اس کو دھویا۔ پھر اسے ایمان اور حکمت سے بھر کر سینے میں رکھ دیا اور سینہ کو بند کر دیا گیا۔ (بخاری: کتاب التفسیر: باب قولہ، اسری بعبدہ لیلا..)

آپ ﷺ کے پاس براق نامی ایک سواری لائی گئی۔ (یہ سفید رنگ کا ایک جانور تھا۔ قد میں گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا، جہاں اس کی نظر پڑتی، وہاں اس کا پاؤں پڑتا تھا)۔ براق کو زین کس کر اور لگام لگا کر لایا گیا تھا۔ جب آپ ﷺ اس پر سوار ہونا چاہے تو وہ مچلنے لگا اور اس پر بیٹھنا دشوار ہوگیا۔ حضرت جبریلؑ نے کہا: اے براق! تجھ پر اللہ کے یہاں اس شخص سے زیادہ معزز کوئی ہستی آج تک سوار نہیں ہوی۔ یہ سن کر براق پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اور پھر آپ ﷺ اس پر سوار ہوے۔ (ترمذی)

پھر آپ بیت المقدس کی طرف روانہ ہوے۔ حضرت جبریلؑ آپ ﷺ کی سواری کی رکاب تھامے ہوے تھے۔ راستہ میں حضرت موسیٰؑ کی قبر پر سے گزر رہوا جو سرخ ٹیلے کے پاس ہے، وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ (مسلم)

بیت المقدس پہنچے۔ باہر ایک پتھر کے حلقے میں حضرت جبریلؑ نے براق کو باندھ دیا۔ یہ وہی حلقہ تھا جس سے انبیاء کرامؑ اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ اس کے بعد بیت المقدس میں داخل ہوے اور تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ (مسلم)

آپ ﷺ کو پیاس لگی تو آپ کے پاس دو پیالے پیش کیے گئے۔ ایک دودھ کا اور دوسرا شراب کا۔ آپ ﷺ نے دونوں کو دیکھا، پھر دودھ کا پیالہ اٹھالیا۔ اس وقت حضرت جبرئیل نے فرمایا: اللہ کا شکر ہے جس نے آپ ﷺ کو فطرت کے راستے کی رہ نمائی کی۔ اگر آپ شراب کا پیالہ اٹھا لیتے تو آپ

ﷺ کی امت گم راہ ہوجاتی۔(بخاری: کتاب الاشربۃ: باب قول اللہ تعالی: انما الخمر والمیسر)

نماز سے فارغ ہونے کے بعد آسمان کی طرف روانے ہوے۔ ہر آسمان پر حضرت جبریلؑ دروازہ کھولنے کو کہتے تو ان سے پوچھا جاتا: آپ کون ہیں؟ وہ کہتے کہ جبریل۔ پھر پوچھا جاتا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں؟ وہ کہتے: محمد (ﷺ)۔ پھر پوچھا جاتا: کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ وہ کہتے کہ ہاں! انھیں بلایا گیا ہے۔ تو فرشتے کہتے: مرحبا! آنے والے کا آنا مبارک ہو۔ پھر آسمان کا دروازہ کھولا جاتا۔ پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ سے ملاقات ہوی۔ آپ ﷺ نے انھیں سلام کیا، اور آدمؑ نے سلام کا جواب دیتے ہوے کہا: نیک بیٹے اور نیک نبی کو خوش آمدید ہو۔

حضرت آدمؑ کے دائیں اور بائیں کچھ چیزیں رکھی ہوی تھیں، وہ دائیں جانب دیکھتے تو خوش ہوتے اور بائیں جانب دیکھتے تو رونے لگتے۔ ان کے دائیں اور بائیں ان کی اولاد کی روحیں تھیں۔ دائیں جانب جنتیوں کی اور بائیں جانب جہنمیوں کی روحیں تھیں۔ (مسلم)

دوسرے آسمان پر حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات ہوی۔ تیسرے پر حضرت یوسفؑ سے اور چوتھے پر حضرت ادریسؑ سے پانچویں پر حضرت ہارونؑ سے، چھٹے پر حضرت موسیٰؑ سے اور ساتویں پر ابراہیمؑ سے ملاقات ہوی۔ سب نے آپ ﷺ کی نبوت کا اقرار کیا اور آپ ﷺ کو مبارک باد دی۔

اس کے بعد آپ ﷺ کو سدرۃ المنتہی لے جایا گیا۔ یہاں آپ ﷺ نے حضرت جبریلؑ کو ان کی اصلی شکل میں سبز خوب صورت باریک ریشمی جوڑے میں دیکھا، ان کے چھ سو پر تھے۔ ان کے بازووں سے موتی اور یاقوت جھڑ رہے تھے۔ (بخاری و مسلم)

اس درخت پر ایک عجیب سماں طاری ہوگیا۔ اس کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں کے مانند تھے اور اس کے پتے ہاتھی کے کان جیسے تھے۔ حضرت جبریلؑ نے بتایا کہ یہ سدرۃ المنتہی ہے۔ وہاں چار نہریں بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ اے جبریلؑ! یہ کیا ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ دو باطنی نہریں جنت کی نہریں ہیں اور یہ دو ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں۔ پھر آپ ﷺ کو مزید اوپر لے

جایا گیا، جہاں قلموں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔ پھر آپ ﷺ کے سامنے بیت المعمور کو پیش کیا گیا ۔ یہ وہ گھر ہے جس کا ہر دن ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں، پھر قیامت تک ان کی باری نہیں آتی۔ (السلسلۃ الصحیحۃ) پھر آپ ﷺ کو جنت اور جہنم کی سیر کرائی گئی۔

اس کے بعد آپ یہاں سے واپس ہوے۔ بیت المقدس ہوتے ہوے مکہ تشریف لائے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم فلاں مقام پر قریش کے ایک قافلے کے پاس سے گزرے جن کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا۔ یہ قافلہ فلاں کی سرکردگی میں تھا۔ میں نے انھیں سلام کیا۔ وہ کہنے لگے: یہ تو محمد (ﷺ) کی آواز ہے۔ پھر صبح ہونے سے پہلے ہی میں اپنے ساتھیوں کے پاس مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔ (ترمذی)

سفرِ معراج میں دروس وعبر:

ا۔ سفرِ معراج کی حکمت: مکہ کے مشرکین نے آپ ﷺ کی دعوت کا انکار کیا، اور آپ ﷺ کی دعوت کو روکنے کے لیے ہر طرح کی کوششیں کرنے لگے۔ آپ ﷺ کو دھمکیاں دیں، ایذاء پہنچائیں، تین سال تک شعبِ ابی طالب میں آپ ﷺ کو محصور کر دیا۔ اور آپ ﷺ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے۔ مکہ میں جب کامیابی نہیں ملی تو آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے کہ اس امید پر کہ یہاں کے لوگ آپ ﷺ کی دعوت قبول کرلیں گے مگر یہاں کے لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ بُرا سلوک کیا۔ اور آپ ﷺ پر اس قدر پتھر برسائے کہ لہولہان ہو گئے۔ اسی اثناء میں آپ ﷺ کے چچا ابو طالب کا انتقال ہو گیا جو آپ ﷺ کی حفاظت میں سینہ سپر تھے۔ وہ کہا کرتے تھے:

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ حَتّٰى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِيْنًا

(اللہ کی قسم! یہ لوگ اپنی ساری جمعیت کے باوجود آپ ﷺ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اس کے لیے انھیں پہلے میری لاش پر سے گزرنا ہوگا)

چند دنوں بعد آپ کی وفا شعار بیوی حضرت خدیجہؓ بھی وفات پا گئیں جو ہر غم اور دکھ میں آپ ﷺ کی شریک رہتیں اور آپ کو تسلی دیتی تھیں۔ ان دونوں کے انتقال سے ایک طرف آپ ﷺ کو بے انتہا دکھ پہنچا تو دوسری طرف مشرکین کی تکلیفیں اور بڑھ گئیں۔ انھوں نے آپ ﷺ پر زمین تنگ کر دی۔

آپ ﷺ کا چلنا پھرنا دوبھر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے اطمینانِ قلب اور بطورِ عزت افزائی کے اسراء اور معراج سے سرفراز کیا۔ جب دشمنوں نے آپ ﷺ پر زمین تنگ کر دی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے۔ جب انسانوں نے آپ ﷺ کو ٹھکرا دیا تو فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا۔ جب دنیا میں ہر طرف مایوسی کے بادل منڈلانے لگے تو اللہ تعالیٰ سفر معراج اور اس کے مشاہدات کے ذریعے آپ ﷺ کے عزم اور حوصلے میں اضافہ فرمایا۔ اس سفر کا ایک مقصد یہ تھا کہ آپ کے اعتماد وتوکل میں اضافہ ہو، اور آپ ﷺ کو یقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے، اس کی مدد اور تعاون ہمیشہ آپ ﷺ کو حاصل رہے گی، اس طرح آپ کا علم الیقین عین الیقین میں تبدیل ہو جائے۔ اور آپ ﷺ پورے جذبے کے ساتھ اپنے مشن میں رواں دواں ہوں۔ انھیں حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سورہ اسراء میں فرمایا گیا: سُبْحَانَ الَّذِیْ أَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْأَقْصَی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ آيَاتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ (الاسراء:1) ''پاک ہے وہ جو اپنے بندے (محمد) کو رات کے وقت مسجدِ حرام سے اس مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا جس کے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ ہم انھیں اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے''۔

سورۂ نجم میں ارشاد ہوا: لَقَدْ رَاٰی مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی۔ (النجم:18) ''انھوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔

۲۔ دو مسجدوں کا ذکر: اس سفر میں مسجدِ حرام اور مسجدِ اقصیٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں ہی مسجدیں اس وقت کفار اور مشرکین کے قبضے میں تھیں۔ مسجدِ حرام پر مکہ کے مشرکین کا اور بیت المقدس پر عیسائیوں کا غلبہ تھا۔ یہاں ان دونوں مقامات کے لیے مسجد کا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ عن قریب دونوں مقدس مقامات پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگا اور ایک وقت آئے گا کہ ان میں صرف اللہ کے لیے سجدہ کیا جائے گے اور تنہا اللہ ہی کی عبادت کی جائے گی۔

۳۔ غلبۂ دین اسلام : سفر بیت المقدس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسلام اب یہودی

ونصاریٰ کے دین پر غالب آئے گا۔اوراس مقدس سرزمین میں تمام سابقہ انبیاء کا اجتماع اورخاتم النبیین کا استقبال اس حقیقت کی دلیل ہے کہ سب نبوتیں ایک ہی سرچشمۂ ہدایت سے پھوٹی ہیں اورایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہیں۔اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ ہی خاتم الانبیاء ہیں،جن پر دین کی تکمیل ہوی اورآپ اپنے رب کریم کی بارگاہ میں سب سے اونچے مرتبے پر فائز ہوے۔

۴۔نماز کی فرضیت:اس موقع پر پچاس وقت کی نمازیں فرض کی گئیں،جو بعد میں پانچ کردی گئیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:اِنَّهُنَّ خَمْسُ صَلَوَا تٍ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لِكُلِّ صَلَاةٍ عَشْرٌ ،فَذَالِكَ خَمْسُوْنَ صَلَاةً ،وَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ لَهُ حَسَنَةً فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ لَهُ عَشْرًا،وَمَنْ هَمَّ سَيِّئَةً فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئًا فَاِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً۔(مسلم:162)''یہ دن اوررات میں پانچ نمازیں ہیں،ایک نماز کا ثواب دس نمازوں کے برابر ہے،اس طرح (پانچ نمازوں کا اہتمام کرنے سے) پچاس نمازوں کا ثواب ملے گا۔جوشخص نیکی کا ارادہ کرے،اوراس کو انجام نہ دے،تو اس کے لیے ایک ثواب لکھ دیا جاتا ہے اورجو نیکی کو انجام دے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔جو برائی کا ارادہ کرے،اوراس کا ارتکاب نہ کرے تو اس کے لیے کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا اوراگر وہ اس برائی کا ارتکاب کرے تو اس کے لیے صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے''۔

۵۔تین تحفے:سفرِ معراج میں آپ ﷺ کو تین ایسے تحفے عطا کیے گئے جو آپ ﷺ سے پہلے کسی کو نہیں دیے گئے تھے۔حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے:اُعْطِيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ،وَاُعْطِيَ خَوَاتِيْمَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ، وَغُفِرَ لِمَنْ لَمْ يُشْرِكْ بَاللّٰهِ مِنْ اُمَّتِهٖ شَيْئًا الْمُقْحِمَاتِ ۔(مسلم:کتاب الایمان،باب فی ذکر سدرۃ المنتھی)''پانچ وقت کی نمازیں،سورۂ بقرہ کی آخری آیات اورآپ کے ہر اس امتی کی مغفرت جو شرک نہ کرے''۔

اس حدیث میں تین تحفوں کا ذکر ہے۔جس میں پہلا تحفہ نماز ہے،جس کا ذکر اوپر ہوا۔

سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت:دوسرا تحفہ سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کا ہے۔ان دو

آیتوں کی بڑی فضیلت ہے۔پہلی آیت میں ایمانیات کا تذکرہ ہے،دوسری آیت میں مومن بندہ اللہ سے بہت ساری دعائیں کرتا ہے۔ان آیتوں کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جوشخص رات میں ان دوآیتوں کو پڑھ لےتو وہ اس کے لیے کافی ہوجاتی ہیں۔(بخاری ومسلم)یعنی آفات ومصائب سے،شیطان سےاور ہرشراور برائی سےمحفوظ رہنے کے لیےکافی ہوجائیں گی۔

توحید کی اہمیت: تیسرا تحفہ توحید کا ہے۔اس سے توحید کی اہمیت اورشرک کی قباحت واضح ہوتی ہے۔توحید کی وجہ سے کبیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اورشرک کی وجہ سے تمام نیکیاں ضائع اور برباد ہوتی ہیں۔

۶۔جنت اورجہنم کی سیر:اس موقع پرآپ ﷺ کو جنت اورجہنم کی سیر کرائی گئی۔جنت اورجہنم کا منظر دیکھنے کے بعدآپ ﷺ نےفرمایا:مَا رَأَيۡتُ مِثۡلَ الۡجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا وَمَا رَأَيۡتُ مِثۡلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا۔(صحیح الجامع الصغیر:5622)''میں نے جنت کی مانندکوئی عظیم نعمت نہیں دیکھی،جس کا طلب گار(لاپرواہی کرتے ہوے) سوتا رہتاہے۔اور میں نے جہنم کی طرح خوف ناک منظرنہیں دیکھا،جس سےڈرنے والا(بےخوف ہوکر)سورہاہے''۔

معراج کےاس سفرمیں تمام فرشتوں نے آپ ﷺ سےمسکراکرملاقات کی،مگرجہنم کے داروغہ کے چہرے پرمسکراہٹ نہیں دیکھی،جبریلؑ سےآپ ﷺ نےسبب دریافت کیاتوانھوں نےکہا:مَا ضَحِكَ مِيكَائِيلُ مُنۡذُ خُلِقَتِ النَّارُ۔اگروہ کسی سےمسکراکرملتےتوآپ ﷺ سے ضرورمسکراکرملتے۔مگرجہنم کی ہولناکی کودیکھنے کے بعدان کے چہرے سےہنسی ہی ختم ہوگئی۔(السلسلۃ الصحیحۃ:2511)

غیبت اورچغل خوروں کاانجام:جہنم میں آپ ﷺ کوچندایسےلوگ بھی دکھائے گئےجن کے ناخن پیتل کے تھے،جن سے وہ اپنے چہرے اورسینےکونوچ رہے تھے،آپ ﷺ نے جبریل سےان کےمتعلق پوچھا:جبریلؑ نے کہا:هٰؤُلَاءِ الَّذِيۡنَ يَأۡكُلُوۡنَ لُحُوۡمَ النَّاسِ وَيَقَعُوۡنَ فِيۡ أَعۡرَاضِهِمۡ۔''یہ وہ لوگ ہیں جولوگوں کاگوشت کھاتے تھےاور(غیبت کرکے)ان کی عزت کوپامال کرتے تھے''۔

(مسند احمد، صحیحہ الالبانی)

بدعمل لوگوں کا انجام: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِيْ عَلٰى قَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاهُهُمْ بِمَقَارِيْضَ مِنْ نَارٍ ۔"جس رات مجھے اسراء کرایا گیا، میں کچھ لوگوں کے پاس سے گزرا۔ان کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے۔(لیکن وہ ہونٹ جلد ہی ٹھیک ہو جاتے تھے تو پھر کاٹے جاتے تھے) میں نے پوچھا: جبریلؑ! یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے فرمایا: خُطَبَاءُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا كَانُوْا يَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَيَنْسَوْنَ أَنْفُسَهُمْ وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتَابَ أَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ۔"یہ دنیا کے وہ خطیب ہیں جو لوگوں کو تو بھلائی کا حکم دیتے تھے، مگر خود عمل نہیں کرتے تھے ،حالاں کہ وہ کتاب اللہ کو پڑھتے تھے۔مگر سمجھتے نہیں تھے"۔(مسند احمد، صحیحہ الالبانی)

جنت کے مناظر: "جنت کی کنکریاں آبدار موتی ہیں اور زمین خالص مشک کی ہے"۔ (مسلم: کتاب الایمان، باب الاسراء برسول اللہ) جنت کے اندر آپ ﷺ نے نہر کوثر کا مشاہدہ فرمایا ،اس کے دونوں کناروں پر جوف دار موتیوں کے خیمے تھے۔اور اس کی مٹی مشک عطر بیز کی تھی۔(بخاری: کتاب التفسیر، باب تفسیر سورۃ الکوثر)

جنت میں حضرت بلالؓ کو اپنے سے آگے چلتے ہوئے پایا: حضرت بریدہ بن حصیب اسلمیؓ فرماتے ہیں کہ ایک صبح اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت بلالؓ کو بلایا اور فرمایا: بِمَ سَبَقْتَنِيْ اِلَى الْجَنَّةِ، مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ أَمَامِيْ ۔تمھاری وہ کونسی نیکی ہے، جس کی وجہ سے تم جنت میں مجھ پر سبقت لے گئے؟ کیوں کہ جب میں جنت میں داخل ہوا تو مجھے اپنے آگے تمھارے قدموں کی چاپ سنائی دی۔حضرت بلال نے فرمایا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَا أَذَّنْتُ قَطُّ اِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ ،وَمَا أَصَابَنِيْ حَدَثٌ قَطُّ ،اِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهَا وَرَأَيْتُ أَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ ۔"اے اللہ کے رسول ﷺ! میں جب بھی اذان دیتا ہوں تو اس کے بعد دو رکعت نماز ادا کرتا ہوں اور جب وضو ٹوٹ جاتا ہے تو فوراً وضو کر لیتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ (اس وضو کے بعد) دو رکعت نماز ادا کرنا، یہ اللہ کا مجھ پر حق ہے"۔آپ ﷺ نے فرمایا: انھی دونوں خوبیوں کی وجہ سے تمھیں یہ شرف

حاصل ہوا‘‘۔(ترمذی)

حضرت رمیصاءؓ: حضرت جابر کی روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو ابوطلحہ کی بیوی رمیصاء کو دیکھا۔(بخاری:3679)

حضرت عمرؓ کا محل: حضرت جابر ہی کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے جنت میں ایک خوب صورت محل دیکھا، جس کے صحن میں ایک خادمہ تھی۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ کس کا محل ہے ؟ تو جبریلؑ نے کہا: یہ عمر بن خطابؓ کے لیے ہے۔ میں اس محل میں داخل ہونا چاہا تا کہ اس کا اندرونی حصہ دیکھوں، مگر مجھے تمھاری غیرت یاد آ گئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں۔ کیا آپ ﷺ پر بھی کوئی اپنی غیرت کا اظہار کرسکتا ہے‘‘۔ (بخاری:3679)

حضرت موسیٰ کا رشک اور ہم دردی: حضرت موسیٰؑ سے جب آپ ﷺ کی ملاقات ہوی تو موسیٰؑ نے آپ کا خیر مقدم کیا اور مبارک باد دی، اس موقع پر آپؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ رونے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا: میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک نوجوان کو میرے بعد نبی بنا کر بھیجا گیا، لیکن جنت میں داخل ہونے والے ان کے امتیوں کی تعداد میری امت سے زیادہ ہوگی۔ شارحینِ حدیث نے اس کی وضاحت کرتے ہوے لکھا ہے کہ موسیٰؑ کے رونے کا سبب حسد نہیں تھا بل کہ وجہ یہ تھی کہ ہر نبی اپنی امت پر بڑا شفیق اور مہربان ہوتا ہے۔ چوں کہ موسیٰؑ کی امت بنی اسرائیل نہایت سرکش اور نافرمان تھی، اس نے آپ کی مخالفت کی اور جنت حاصل کرنے میں کوتاہی کی، اس لیے اپنی امت پر افسوس کرتے ہوے آپؑ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ چوں کہ امت کا پورا ثواب نبی کو بھی ملتا ہے۔ اس لیے اگر امت نبی کے بتائے ہوے طریقے پر صدقِ دل سے گامزن ہو تو نبی کا رتبہ عظیم سے عظیم تر ہو جاتا ہے۔

واپسی پر جب حضرت موسیٰؑ پر سے گزر ہوا تو انھوں نے پوچھا کہ تمھارے رب نے تمھیں اپنی امت کے لیے کیا تحفہ دیا ہے، آپ ﷺ نے کہا: پچاس نمازوں کا۔ موسیٰؑ نے کہا: آپ ﷺ کی امت ہر

دن پچاس نمازیں پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتی، آپؐ نے اس امت کی بڑی خیرخواہی کی اور نبی ﷺ سے عرض کیا: اپنے رب کے پاس واپس جایئے اور اپنی امت کے لیے اس میں کچھ تخفیف کا سوال کیجیے۔ میں واپس اللہ کے پاس گیا تو دس نمازیں کم کر دی گئیں۔ پھر میں جب واپسی میں موسیٰؑ کے پاس آیا، تو انھوں نے اپنی پہلی بات دہرائی ۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، آخر میں مجھے روزانہ پانچ وقت کی نماز کا حکم ملا۔ پھر واپسی پر موسیٰؑ پر سے گزرا تو انھوں نے دریافت کیا کہ کیا حکم ملا۔ میں نے بتایا کہ روزانہ پانچ وقت کی نماز کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر واپس جا کر تخفیف کروانے کا مشورہ دیا۔ اور کہا کہ آپ ﷺ کی امت روزانہ پانچ وقت کی نمازیں کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔ میں نے آپ سے پہلے لوگوں کے تجربے کیے ہیں اور بنی اسرائیل کی اصلاح وتبدیلی کی انتھک کوششیں کی ہیں۔ آپ واپس جا کر مزید تخفیف کی درخواست کیجیے۔ تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ بار بار جاتے اور تخفیف کا سوال کرتے ہوئے میں شرم سار ہو گیا ہوں۔ اب میں اس حکم پر راضی ہوں اور سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو اعلان کرنے والے نے اعلان کیا کہ میں نے اپنا فریضہ نافذ کر دیا اور اپنے بندوں پر تخفیف کر دی۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابراہیمؑ کا پیغام: حضرت ابراہیمؑ کو آپ ﷺ نے بیت معمور سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے دیکھا۔ ابراہیمؑ نے آپ ﷺ کا خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا: مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ ۔مبارک ہو، نیک بیٹے اور نیک نبی کو۔ پھر آپؐ نے اللہ کے نبی ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ کی امت کو میرا اسلام سناؤ اور انھیں میرا یہ پیغام بھی پہنچا دو: اَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ وَاَنَّهَا قِيْعَانٌ وَاَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ ''جنت کی مٹی پاکیزہ، اور پانی بہت شیریں ہے، لیکن وہ چٹیل میدان ہے، اس میں بوئے جانے والے پودے ذکر کے یہ کلمات ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَر ۔(ترمذی: کتاب الدعوات، باب ان غراس الجنۃ ...) ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مُرْ اُمَّتَكَ فَلْيُكْثِرُوْا مِنْ غِرَاسِ الْجَنَّةِ فَاِنَّ تُرْبَتَهَا طَيِّبَةٌ وَاَرْضُهَا وَاسِعَةٌ ۔ ''اپنی امت کو حکم دو کہ وہ کثرت

سے جنت میں پودے اگائیں۔ کیوں کہ اس کی مٹی عمدہ ہے اور زمین کشادہ ہے''۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا کہ جنت میں بوئے جانے والے پودے کیا ہیں؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ''۔(الصحیحۃ:105)

معراج کی رات فرشتوں کے جس گروہ کے پاس سے بھی گزرتا، وہ یہی کہتا: اے محمد ﷺ! اپنی امت کو پچھنا لگوانے کا حکم دیں۔ (ابن ماجہ، کتاب الطب، باب الحجامۃ) مولانا حافظ صلاح الدین یوسف فرماتے ہیں: ''یہ ایک طریقۂ علاج ہے جس سے فاسد خون نکل جانے سے انسان صحت یاب ہوجاتا ہے۔ یہ بہت کامیاب طریقۂ علاج تھا لیکن یونانی حکمت اور طریقۂ علاج کے زوال پذیر ہونے کے ساتھ ہی یہ طریقۂ علاج بھی تقریباً متروک ہوگیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بھی یہ طریقۂ علاج رائج تھا اور آپ نے خود بھی کئی مرتبہ پچھنا لگوایا تھا۔ اس حدیثِ معراج سے بھی اس طریقۂ علاج کی اہمیت اور فضیلت کا اثبات ہوتا ہے۔

اہلِ مکہ کے سامنے اعلان اور ان کا ردِّعمل: رسول اکرم ﷺ کو خدشہ تھا کہ قریش اس بارے میں تکذیب کریں گے۔ اس لیے اس صبح آپ کچھ فکر مند تھے۔ آپ ﷺ اسی حالت میں تھے کہ ابوجہل آپ کے پاس آ بیٹھا اور ازراہِ مذاق کہنے لگا: حضرت! کوئی تازہ خبر؟ آپ ﷺ نے اسے اسراء کا واقعہ بتلایا۔ اس نے اس ڈر سے فوراً تکذیب مناسب نہ سمجھی کہ کہیں محمد (ﷺ) لوگوں کے سامنے یہ بات چھپا لے۔ وہ کہنے لگا: اچھا! اگر میں دوسرے لوگوں کو بھی یہاں بلالوں تو کیا آپ انھیں بھی یہ واقعہ سنائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! وہ بھاگا بھاگا لوگوں کے پاس گیا اور انھیں بلالایا۔ جب سب آگئے تو کہنے لگے: اب بیان کیجیے۔ آپ ﷺ نے پورا واقعہ بیان کردیا۔ انھیں بڑا تعجب ہوا۔ جن لوگوں نے مسجدِ اقصی کو دیکھا ہوا تھا وہ کہنے لگے: اچھا ہمیں مسجدِ اقصیٰ کا نقشہ بتایئے۔ اللہ نے مسجدِ اقصیٰ کو رسول اکرم ﷺ کے سامنے لا کھڑا کیا۔ آپ ﷺ اسے دیکھ دیکھ کر اس کا نقشہ بتاتے رہے۔ قریش کہنے لگے: بھئی۔ اللہ کی قسم! نقشہ تو بالکل صحیح بیان کیا ہے''۔ (بخاری: کتاب التفسیر: باب قولہ، اسری بعبدہ)

کچھ لوگوں کو اس پر یقین نہیں ہوا۔ کفار و مشرکین تو مذاق اڑانے لگے اور کچھ کم زور ایمان لوگ فتنے میں مبتلا ہو گئے ،بعض لوگ تو ایمان کو چھوڑ کر کفر کی زندگی اختیار کر لیے ۔سورۂ اسراء میں فرمایا گیا:وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِىٓ أَرَيْنَاكَ اِلَّافِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْآنِ ۔ (الاسرء:60)''اور ہم نے جو مشاہدات (شبِ معراج میں) آپ کو کرائے ،انھیں ہم نے لوگوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنادیا تھا''۔

ایمان صدیق کا ظہور: جب حضرت ابوبکرؓ کو اس واقعے کی خبر ہوی تو انھوں نے فوراً تصدیق کی اور کہا:اگر یہ سب کچھ محمد ﷺ نے بیان فرمایا ہے تو بالکل صحیح ہے۔اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔اللہ کی قسم! آپ تو ہمیں پہلے بھی آگاہ فرماتے رہتے ہیں کہ میرے پاس دن اور رات کے مختلف اوقات میں آسمان سے وحی آتی ہے۔وحی کا آنا تو اس واقعے سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔

طلبِ علم اور اسلاف کرام

علم اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔قرآن وحدیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔رسول اکرم ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوی اس میں علم ہی کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔اسلام نے اہلِ علم کو ایک امتیازی مقام عطا کیا ہے،سورۂ زمر میں ارشاد ہے : هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَايَعْلَمُوْنَ. (آیت:۹)''علم والے اور بے علم کیا برابر کے ہیں؟''۔اور سورۂ حشر میں علم کو رفعِ درجات کا سبب بتایا گیا:يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَات۔(المجادلہ:۱۱) ''اللہ تعالیٰ تم میں سے ان لوگوں کے جو ایمان لائے ہیں اور جو علم دیے گئے ہیں درجے بلند کردے گا''۔

خوف خدا اور خشیت الٰہی کا حقیقی ذریعہ علم ہی کو قرار دیا گیا،سورۂ فاطر میں ارشاد ہے:**اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ.** (۲۸)''اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں''۔

علم کی فضیلت اور اہمیت میں رسول اکرم کی بے شمار احادیث موجود ہیں۔حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم ﷺ کو فرماتے ہوے سنا:''جو شخص حصولِ علم کے راستے میں نکلا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، اس کے اس عمل سے خوش ہوکر فرشتے اس کے لیے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لیے آسمان اور زمین کی ہر مخلوق حتیٰ کہ مچھلیاں پانی میں مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم کو عابد پر ویسے ہی فضیلت حاصل ہے جیسے چاند کو سارے ستاروں پر فضلیت حاصل ہے، علما انبیاء کے وارث ہیں اور انبیاء نے اپنے ورثے میں دینار و درہم نہیں چھوڑے، وہ تو دین کا علم ہی ورثے میں چھوڑ جاتے ہیں، پس جس نے یہ علم (نبوی) حاصل کیا گویا اس نے شرف وفضل کا ایک بڑا حصہ حاصل کرلیا۔(ابوداؤد،ترمذی)

طلب علم حصول جنت کا ذریعہ ہے۔حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: **مَنْ سَلَكَ طَرِيْقًا يَلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهُ بِهِ طَرِيْقًا اِلَى الْجَنَّةِ.** (صحیح مسلم)''جو شخص

حصول علم کے لیے نکلے تو اللہ تعالی اس کی بدولت اس کے لیے جنت کی راہ آسان فرما دیتا ہے‘‘۔

طلبِ علم اور اسلافِ کرام: حصول علم کی راہ بڑی ہی دشوار اور پُر خطر ہے۔ یہ راہ طالبانِ علوم سے ہر ہر قدم پر قربانیاں طلب کرتی ہے۔ نفس کی قربانی، جذبات اور خواہشات کی قربانی، گھر بار اور رشتے داروں کی قربانی، وقت اور مال کی قربانی اور چین وسکون اور اطمینان کی قربانی، غرض ہر طرح کی قربانیوں کے بعد ہی علم حاصل ہوسکتا ہے۔ حضرت یحی بن ابی کثیرؒ فرماتے ہیں: **لاینال العلم براحة الجسم.** (مسلم) ’’راحت پسندی کے ساتھ علم حاصل نہیں ہوسکتا‘‘۔

علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: **ان العلم لما کان اشرف الاشیاء لم یحصل الابالتعب والسهر والتکرار وهجر اللذات والراحة.** (صید الخاطر، ص: ۲۶۸) ’’تمام چیزوں میں علم کا مقام سب سے بلند ہے، اس کا حصول محنت ومشقت، شب بیداری، مسلسل پڑھائی اور خواہشات اور آرام کو ترک کیے بغیر ممکن نہیں‘‘۔۔۔علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ’’جب تک حصول علم کا شوق اور جذبہ جسمانی لذات اور نفسانی خواہشات پر غالب نہ آئے، انسان علم کے بلند مقام تک پہنچ نہیں سکتا، اور جس کا مطمحِ نظر اور مقصود اصلی طلب علم ہو ایسا شخص اہل علم کے زمرے میں شامل ہوسکتا ہے‘‘۔ (مفتاح دار السعادة)

اسلاف کرام میں حصول علم کا جذبہ بڑا حیران کن تھا، حصول علم کی خاطر وہ پاگلوں کی طرح سڑکوں پر دوڑتے نظر آتے۔ حضرت شعبہؒ فرماتے ہیں: **مارأیت احدا قط یعدو الا قلت مجنون او صاحب حدیث. (الجامع للخطیب: ۱/۱۵۲)** ’’میں نے صرف دو ہی قسم کے لوگوں کو راستوں پر دوڑتے ہوے دیکھا ہے، ایک پاگل کو اور دوسرے علم حدیث حاصل کرنے والے کو‘‘۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ اپنے حصول علم کا حال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: ’’اگر مجھے معلوم ہوتا کہ فلاں کے پاس حدیث رسول ہے تو میں ان کے پاس پہنچ جاتا۔ اگر ان کے آرام کا وقت ہوتا تو میں اپنی چادر کو تکیہ بنالیتا اور ان کے گھر کے دروازے سے ٹیک لگائے ان کے نکلنے کا انتظار کرتا، جب وہ گھر سے نکلتے اور مجھ پر نظر پڑتی تو بڑے احترام سے فرماتے: اے ابن عباس! آپ نے کیوں

زحمت گوارا کی، کسی کے ذریعہ کہلا بھیجتے تو میں خود ہی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا۔آپ فرماتے: آپ کے پاس پہنچنا اور حدیث رسول حاصل کرنا یہ میرا فرض ہے''۔(بخاری)

ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں: ''طلب علم کی راہ میں میں نے سخت تکلیفیں جھیلیں اور مصیبتیں برداشت کیں اور یہ بھی فرماتے: **هو عندی احلی من العسل** کہ یہ تکلیفیں مجھے شہد سے بھی زیادہ لذیذ معلوم ہوتیں''۔آپ ہی کا بیان ہے کہ ''ابتدائی دور میں میرا یہ حال تھا کہ کچھ سوکھی روٹیاں لیتا اور طلب حدیث کے لیے نکلتا، نہر عیسی کے کنارے بیٹھتا، اس کا پانی ہی میرے لیے سالن کا کام دیتا''۔(صید الخاطر:۲۳۵)

جعفر بن درستویہؒ فرماتے ہیں کہ ''علی بن مدینی کے درس میں شرکت کے لیے ہم ایک دن پہلے ہی عصر کے وقت مجلس میں جگہ حاصل کر لیتے اور ساری رات بیٹھ کر گزار دیتے کہ کہیں ان کی مجلس میں شرکت سے محروم نہ ہو جائیں''۔(**الجامع للخطیب :۱۹۹/۲**)۔۔۔۔ابن طاہر کا بیان ہے کہ'' علم حدیث کے حصول کے دوران مجھے دو مرتبہ خون کے پیشاب ہوے۔ایک مرتبہ اس وقت جب میں سخت دھوپ کے باوجود ننگے پیر چل رہا تھا۔مجھے کبھی کوئی سواری میسر نہ ہوی۔ایام طالب علمی میں میں نے کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے ۔دست سوال دراز کیے بغیر جو بھی مل جاتا اسی پر گزارا کر لیتا''۔(**سیر اعلام النبلاء:۳۶۱/۱۹**)

ابن ابی حاتم الرازیؒ فرماتے ہیں: ''میں اپنے ایک ساتھی کے ساتھ درس میں شرکت کے لیے جا رہا تھا، راستے میں ہماری نظر ایک مچھلی پر پڑی جو ہمیں بہت پسند آئی۔ہم نے اسے خرید لیا، گھر پہنچے تو درس کا وقت ہو چکا تھا، ہم فوراً درس میں شرکت کے لیے بھاگ کھڑے ہوے۔اس کے بعد ہم اس قدر مصروف ہو گئے کہ تین دن تک ہمیں فرصت ہی نہیں ملی، تین دن بعد جب گھر پہنچے تو مچھلی سڑنے کے قریب تھی، ہم نے اس کو ویسے ہی کھا لیا، کیونکہ ہمارے پاس اس کو پکانے کے لیے وقت ہی نہیں تھا''۔(ایضا:۲۶۵/۱۳)

امام بقی بن مخلد فرماتے ہیں: ''ایام طالب علمی میں فقر و فاقہ کی وجہ سے میں نے بسا اوقات

درخت کے پتے کھا کر گزارا کیا ہے، اور کاغذ خریدنے کے لیے کئی مرتبہ مجھے اپنے کپڑے بیچ دینے پڑے''۔**(معجم الادباء لیاقوت:۷/۸۳)**

حجاج بن شاعر کا بیان ہے کہ ''جب میں طلب علم کے لیے روانہ ہونے لگا تو میری ماں نے زادِ راہ کے طور پر سو روٹیاں میرے حوالے کیں۔ میں مدائن میں شبابہ بن سوار کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے علم حاصل کرتا رہا۔ ان کے پاس سو دن قیام کیا، ہر دن ایک روٹی دریائے دجلہ کے پانی میں ڈبو کر کھاتا، جب زادِ راہ ختم ہوا تو میں اپنے گھر واپس لوٹ آیا''۔**(سیر اعلام النبلاء:۱۲/۳۰۱)**

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ''طلب علم کے دوران گھر سے یہ خبر آئی کہ میرا لخت جگر فوت ہو چکا ہے مگر میں اس کی تجہیز و تکفین اور جنازے میں شرکت نہیں کر سکا، محض اس وجہ سے کہ امام ابوحنیفہؒ کے دروس سے محرومی ہوگی جس کا صدمہ مجھے زندگی بھر برداشت کرنا پڑے گا''۔ (مناقب ابی حنیفہؒ: ۱/۴۷۲)

امام ابن القاسم جو امام مالکؒ کے مشہور شاگرد ہیں، حصول علم کے لیے اس وقت گھر سے نکلتے ہیں جب کہ شادی ہو چکی ہے اور بیوی حاملہ ہے، سفر پر روانہ ہوتے وقت انہوں نے اپنی بیوی سے کہا: ''میں ایک طویل سفر پر روانہ ہو رہا ہوں، معلوم نہیں کب لوٹوں گا۔ تمہیں اختیار ہے چاہے تو میری زوجیت میں رہو، یا تمہیں طلاق دے دوں، تاکہ کسی اور سے نکاح کر لو''۔ وفا شعار بیوی نے طویل جدائی کے اندیشے کے باوجود آپ کی زوجیت کو ترجیح دی۔ ابن القاسم امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلسل سترہ سال تک علم حاصل کرتے رہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس طویل مدت کے بعد مصر سے ایک نوجوان ہمارے پاس آیا اور امام مالکؒ کو سلام کرنے کے بعد دریافت کیا کہ کیا آپ کے ساتھیوں میں ابن القاسم نامی کوئی شخص ہے؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ نوجوان میرے قریب آیا اور میری پیشانی کا بوسہ لیا۔ میں نے اس سے ایک مانوس خوشبو محسوس کی۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ میرا ہی لخت جگر ہے جس کی پیدائش میرے گھر سے نکلنے کے بعد ہوئی تھی''۔ (اصلاح الامۃ: ۱/۱۹۹)۔۔۔۔۔عمر بن حفص الاشقرؒ فرماتے ہیں کہ ہم بصرہ میں امام بخاری کے ساتھ علم حاصل

کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ کئی دنوں تک وہ درس سے غیر حاضر رہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ لباس نہ ہونے کی وجہ سے وہ گھر سے نہیں نکل رہے ہیں۔ ہم تمام ساتھیوں نے کچھ رقم جمع کر کے آپ کے لیے کپڑوں کا انتظام کیا''۔(**سیر اعلام النبلاء:۱۲/۴۴۸**)

اسلافِ کرامؒ کی ترقی میں علم کا کردار: افراد کی تعمیر وترقی میں علم نے جو کردار ادا کیا ہے وہ کسی بھی ذی علم سے مخفی نہیں ہے۔ علم ہی کے ذریعے غربت وافلاس کا خاتمہ ہوتا ہے، عروج واقبال نصیب ہوتا ہے، عہدہ ومنصب، سیادت وقیادت اور اعزاز واکرام حاصل ہوتا ہے۔

فرشتوں میں بہت سی ایسی خوبیاں تھیں جو انسانوں میں موجود نہیں تھیں، مگر فرشتوں نے علمی برتری کو فضیلت کا معیار تسلیم کر لیا اور بحکمِ خداوندی حضرت آدمؑ کے آگے سجدہ ریز ہو گئے۔

انبیاء علیہم السلام کو سب سے بڑی دولت جو اللہ کی جانب سے عطا ہوی، وہ نبوت کی دولت تھی، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ علم کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ سلیمانؑ اور داوٗدؑ کے متعلق فرمایا: وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ عِلْماً. (النمل:۱۵)''اور ہم نے یقیناً داوٗد اور سلیمان کو علم دے رکھا تھا''۔

''ان دونوں باپ بیٹوں کو اور بھی بہت کچھ عطا کیا گیا تھا لیکن یہاں صرف علم کا ذکر کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ علم اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے''۔(احسن البیان:۱۰۹۲)

حضرت یوسفؑ کے متعلق ارشاد ہے: وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْماً وَّعِلْماً وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (یوسف:۲۲)''اور جب یوسفؑ پختگی کی عمر کو پہنچ گئے تو ہم نے انہیں قوتِ فیصلہ اور علم دیا، ہم نیک کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں''۔

حضرت لوطؑ کے بارے میں فرمایا گیا: وَلُوطاً آتَيْنَاهُ حُكْماً وَّعِلْماً (الأنبياء:۷۴)''اور ہم نے لوطؑ کو بھی حکم اور علم دیا''۔

حضرت موسیٰؑ کا تعارف بھی علم کے حوالے سے کیا گیا: وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَى آتَيْنَاهُ حُكْماً وَّعِلْماً وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (القصص:۱۴)''اور موسیٰؑ اپنی جوانی کو پہنچ گئے اور پورے توانا ہو گئے تو ہم نے انہیں حکمت وعلم عطا فرمایا، نیکی کرنے والوں کو ہم اسی طرح بدلہ

دیا کرتے ہیں''..... یوسفؑ کئی سالوں تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے ہیں۔آخر کار علم ہی کی طاقت نے انہیں قید خانے سے نکالا،اور اسی علم کی بدولت وہ مصر کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے۔

حضرت خضرؑ کا ذکر بھی علم ہی کے حوالے سے قرآنِ مجید میں کیا گیا ہے۔سورۂ کہف میں ارشاد ہے :فَوَجَدَا عَبْداً مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِندِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْماً (الکہف:۶۵)''سو وہاں انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے خاص رحمت عطا فرما رکھی تھی اور اسے اپنے پاس سے خاص علم سکھا رکھا تھا''۔

حضرت موسیٰؑ اولوالعزم پیغمبر ہونے کے باوجود حضرت خضرؑ کے آگے زانوئے تلمذ تہ کرتے ہیں اوران سے درخواست کرتے ہیں: هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَن تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً. (الکہف:٦٦) ''میں آپ کی تابعداری کروں؟ کہ آپ مجھے وہ نیک علم سکھا دیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے''۔

حضرت لقمانؑ کا ذکر بھی قرآن مجید میں علم وحکمت کے حوالے سے کیا گیا ہے: وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ . (لقمان:۱۲)''اور ہم نے یقیناً لقمان کو حکمت دی تھی''۔

بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے کہا:ہمارے لیے کوئی امیر مقرر کروتا کہ ہم اس کی سرپرستی میں دشمنوں سے جنگ کرسکیں۔ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا حکمران اور بادشاہ بنایا ہے تم ان کی سربراہی اور قیادت میں جہاد کرو،بنی اسرائیل نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَال (البقرہ:۲۴۷)''بھلا ہم پر حکومت کا حق دار وہ کیسے بن گیا؟اس سے زیادہ تو ہم خود حکومت کے حق دار ہیں اور اس کے پاس تو کچھ مال ودولت بھی نہیں''۔ان کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہا گیا کہ طالوت کی تم پر برتری کا بنیادی سبب علم اور جسمانی طاقت وقوت ہے، چنانچہ فرمایا گیا: إِنَّ اللّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ (البقرۃ:۲۴۷)''اللہ نے تم پر حکومت کے لیے اسے ہی منتخب کیا ہے،اور اسے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے اور اللہ جسے چاہے اپنی حکومت دے دے،وہ بڑی وسعت والا اور جاننے والا ہے''۔

علم ہی کی وہ طاقت تھی کہ حضرت سلیمانؑ کے ایک درباری نے یہ دعویٰ کیا کہ میں پلک جھپکنے سے پہلے ملکہ سبا کا تخت آپؑ کی خدمت میں لا حاضر کروں گا: قَالَ الَّذِیْ عِندَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَن يَرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ. (النمل:۴۰) ''جس کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بول اٹھا کہ آپ پلک جھپکائیں اس سے بھی پہلے میں اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں''۔

اسلاف کرامؒ کی سیرت وسوانح کے مطالعے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شہرت ونا موری اور تعمیر وترقی کا بنیادی سبب اور اصل راز حصولِ علم میں پنہاں ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کے حصولِ علم کا جذبہ بھی جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا، سارے صحابہ کرامؓ حصولِ معاش کے لیے بازاروں کا رخ کرتے مگر ابو ہریرہؓ معاش کی فکر سے آزاد ہو کر حصولِ علم کی خاطر آپ ﷺ کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہتے۔ فاقوں پر فاقے ہوتے مگر اس کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ ان کے اسی ذوق وشوق اور جذبے کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ کی صحبت میں چار سال کا قلیل عرصہ گزارنے کے باوجود صحابہ میں سب سے زیادہ آپؓ ہی سے احادیث مروی ہیں۔

ایک دفعہ بعض لوگوں نے حضرت ابو ہریرہؓ پر اعتراض کیا کہ آپؓ بہت حدیثیں بیان کرتے ہیں حالانکہ مہاجرین وانصار ان حدیثوں کو نہیں بیان کرتے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا: میرے مہاجر بھائی تجارت میں اور انصاری بھائی کھیتی باڑی میں مصروف رہتے تھے لیکن میں ہر وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا، جب وہ لوگ غائب ہوتے تو میں آپ ﷺ کی خدمت میں موجود رہتا تھا، میں فقرائے صفہ کی جماعت کا ایک فرد تھا، جب یہ لوگ بھول جاتے تھے تو میں یاد کرلیا کرتا تھا''۔ (صحیح بخاری، سرورِ کائنات کے پچاس صحابہ:۱۵۰)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا شمار بھی ان صحابہ میں ہوتا ہے جنہیں رسول اکرم ﷺ سے کسبِ فیض کا بہت کم وقت میسر آیا، مگر ان کے علمی ذوق اور جذبے کو دیکھ رسول اکرم ﷺ نے انہیں یہ دعا دی: اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ ۔(السلسلة الصحيحة:۱۷۳/۶) ''اے اللہ! تو انہیں دین کی سمجھ اور تفسیر کا علم عطا فرما''۔ آپ ﷺ کی اس دعا اور ان کی ذاتی کدوکاوش کا یہ نتیجہ نکلا کہ ابن عباسؓ

امام المفسرین کہلائے اور آسمانِ علم پر نجمِ ثاقب بن کر چمکے، ان کی علمی قابلیت کی وجہ سے اجلۂ صحابہ نہ صرف ان کا احترام کرتے تھے بلکہ کم عمری کے باوجود اہم دینی معاملات میں ان سے مشورہ کرتے اوران سے استفادہ کیا کرتے تھے۔ ''حضرت عمرؓ اپنے دورِ خلافت میں اپنی علمی صحبتوں میں جہاں اکابرِ صحابہ کو بلاتے تھے وہیں حضرت ابنِ عباسؓ کو بھی شریک کرتے تھے یہاں تک کہ لوگ ان پر رشک کرتے تھے۔ صحیح بخاری میں خود حضرت ابنِ عباسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ مجھے اصحابِ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، ایک مرتبہ بعض بزرگوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ آپ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ بٹھاتے ہیں، ان کے برابر تو ہمارے لڑکے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: یہ وہ شخص ہے جس کی قابلیت کا تمہیں بھی علم ہے۔'' (سرورِ کائنات کے پچاس صحابہ: ۱۲۳)

حضرت ابوالعالیہؒ کا شمار بھی ان اہلِ علم میں ہوتا ہے جنہیں علم نے ترقی کے بامِ عروج پر پہنچا دیا، وہ خود فرماتے ہیں: ''میں ابن عباسؓ کی خدمت میں آیا کرتا تھا۔ آپؓ کی مجلس میں رؤسائے قریش بھی ہوتے، جب بھی میں آپ کے پاس آتا، آپ مجھے اپنے ساتھ تخت پر بٹھا لیتے۔ رؤسائے قریش کو ناگواری ہوتی۔ جب آپ نے اس چیز کو محسوس کیا تو فرمایا: كذالك هذاالعلم يزيدالشريف شرفاويجلس الملوك على الاسرة ۔ ''یہ علمِ دین کی شان ہے جو شریفوں کی شرافت میں اضافہ کرتا ہے اور غلاموں کو تخت نشین کرتا ہے''۔

عہدِ عباسی کے علماء وفضلا میں ایک نمایاں نام عبداللہ بن مبارکؒ کا ہے۔ عالم اسلام کے گوشے گوشے میں آپؒ کے علم وفضل کے چرچے تھے۔ ''آپؒ کی علمی شہرت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ آپؒ رقہ تشریف لے گئے تو ہزاروں لوگ استقبال کے لیے دیوانہ وار اٹھ دوڑے، اس قدر ہنگامہ ہوا کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں اور ساری فضا غبار آلود ہوگئی۔ اتفاق سے خلیفہ ہارون رشید بھی ان دنوں رقّہ میں موجود تھا۔ اس کے حرم کی ایک خاتون نے شاہی محل کے برج سے یہ نظارہ دیکھا تو ملازموں سے پوچھا کہ یہ ازدحام کیسا؟ انہوں نے بتایا کہ خراسان کے ایک عالم آرہے ہیں جن کا نام عبداللہ بن مبارک ہے، یہ سب لوگ ان کے استقبال میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے کشمکش

کررہے ہیں۔بے ساختہ بولی:''واللہ بادشاہ تو حقیقت میں یہ ہیں،بھلاہارون رشید کیابادشاہ ہے ،جولوگوں کوسپاہیوں ،چوبداروں ،کوڑوں اورڈنڈوں کی مدد سے اپنے گردجمع کرتاہے''۔(یہ تیرے پراسرار بندے:٤٦٦)

حضرت اعمش فرماتے ہیں کہ''علم ہی نے مجھے بلند مقام عطا کیا۔اگر یہ علم نہ ہوتا تو میں کوئی سبزی فروش ہوتا جس سے خریدوفروخت کرنے میں لوگ تنگی محسوس کرتے''۔

ابوالاسودالدؤلی فرماتے ہیں:**لیس شئ اعزمن العلم .الملوک حکام علی الناس والعلماء حکام علی الملوک . (تذکرۃ السامع المتکلم** ،ص:١٠)''علم سے بڑھ کرکوئی چیز قابل قدر نہیں،بادشاہ عوام پرحکومت کرتے ہیں توعلماءبادشاہوں پرحکومت کرتے ہیں''۔

یہ چندنمونے ہیں ۔اسلامی تاریخ کے ہرصفحے پرہمیں بہت سے ایسے افراد ملتے ہیں جن کی تعمیروترقی میں علم نے اہم کرداراداکیا ہے۔موجودہ دورترقی یافتہ دورکہلاتا ہے،اور یہ ترقی علم ہی کی مرہون منت ہے۔اس علمی ترقی کے معمار بیشتر وہ افراد ہیں جنہوں نے غریب گھرانوں میں آنکھیں کھولیں اوراپنی جدوجہداورکدوکاوش کے ذریعےعلم کے آفتاب اورمہتاب بن کرچمکے۔ان کی زندگیاں امت مسلمہ کے ہرفرد کے لیے یہ پیغام دیتی ہیں کہ وہ بھی اپنی شخصیت کی تعمیروترقی چاہتے ہیں توعلم میں مہارت پیدا کریں اوردنیا کوعلم کی روشنی سے منورکرنے والے بن جائیں،تبھی دنیا میں عزت کی زندگی گزار سکتے ہیں،ورنہ وہ کہیں کےبھی نہیں رہیں گے۔

مومن کے شب وروز

اللہ تعالیٰ نے انسانوں اورجنوں کواپنی عبادت کے لیے پیدا کیاہے۔(الذاریات:۵۶)اس لیے پیغمبروں کی زندگی عبادت کا مثالی نمونہ ہوا کرتی تھی۔ سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی مکرم ﷺ کے شب وروز رب کی بندگی میں گزرتے تھے۔آپ ؐ کا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، اوڑھنا پہننا،نشست برخاست ،غرض زندگی کے تمام معمولات رب کی رضا اورخوش نودی کے لیے ہوا کرتے تھے۔اسی لیے ہرمسلمان کوچاہیے کہ اپنی زندگی رب کی بندگی میں گزارنے کی فکر کرے۔رسول اکرم ﷺکی زبانی کہلوایا گیا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔(الانعام:۱۶۲)

’’آپ فرمادیجیے(اے محمدؐ!)میری نماز،میری ساری عبادت،میراجینااورمیرامرناسب خالص اللہ کے لیے ہے جوسارے جہانوں کارب ہے‘‘۔

گویاآپ ؐکی زندگی مذکورہ آیت کی عملی تفسیر تھی۔کتاب وسنت میں غورکرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ چھےاعمال ایسے ہیں جن سے صبح وشام اوردن اوررات کا آغاز کرناچاہیے۔

۱۔دعا : سونے سے پہلے اور بیدار ہونے کے بعددعاؤں کااہتمام ہوناچاہیے۔صحیح بخاری کی روایت ہے۔صحابیِ رسول فرماتے ہیں:’’جب آپ ﷺ رات سونے کے لیےبسترپرتشریف لے جاتے تواپناہاتھ اپنے گال کے نیچےرکھ لیتے اور یہ دعاپڑھتے :

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوْتُ وَأَحْیَا۔’’اے اللہ! تیرے ہی نام سے میں مرتاہوں اور جیتا ہوں‘‘۔

اور جب نیند سے بیدار ہوتے تو فرماتے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ أَحْیَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔(بخاری)’’اللہ کاشکرہےجس نے ہمیں موت کے بعدزندگی عطاکی اوراسی کی طرف لوٹ کرجاناہے‘‘۔

۲۔مسواک :مسواک رسول اکرم ﷺکی سنت ہے۔اس کا آپ ﷺ بہت اہتمام فرماتے تھے۔رات سونے سے پہلے اورصبح بیدار ہونے کے بعد دونوں وقت مسواک کرناپسندیدہ عمل ہے۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ اِذَا قَامَ مِنَ النَّوْمِ يَشُوْصُ فَاهُ بِالسِّوَاكِ ۔(بخاری ومسلم)''نبی کریم ﷺ جب نیند سے بیدار ہوتے تو مسواک سے اپنے منہ کی صفائی فرماتے''۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمَّتِيْ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مَعَ الْوُضُوْءِ۔(الجامع الصغیر:۷۴۹۳)

''اگر میری امت کے لیے تکلیف نہ ہوتی تو میں انھیں ہر وضو کے ساتھ مسواک کا حکم دیتا''۔

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں:

لَقَدْ كُنْتُ أَسْتَنُّ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ وَبَعْدَ مَا أَسْتَيْقِظُ وَقَبْلَ أَنْ آكُلَ وَبَعْدَ مَا آكُلُ حِيْنَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ مَا قَالَ ۔(اخرجہ البخاری معلقا)''جب سے رسول اکرم ﷺ کی یہ حدیث سنی، میں سونے سے پہلے، سوکر بیدار ہونے کے بعد، کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد مسواک کا اہتمام کرتا ہوں''۔

۳۔**وضو**: دن اور رات کے معمولات میں سے ایک وضو بھی ہے۔رات سونے سے پہلے اور اٹھنے کے بعد وضو کرنا مسنون عمل ہے۔حضرت براء بن عازبؓ سے مروی ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا أَتَيْتَ مَضْجَعَكَ فَتَوَضَّأْ وُضُوْءَكَ لِلصَّلَاةِ ۔(بخاری:247)''جب تم سونے کے لیے اپنے بستر پر آ ؤ تو اسی طرح وضو کرو، جیسے تم نماز کے لیے وضو کرتے ہو''۔

نیند سے بیدار ہونے کے بعد بھی آپ ﷺ وضو کیا کرتے تھے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ایک رات میں اپنی خالہ ام المومنین میمونہ کے گھر قیام کیا، (آپ ﷺ کا قیام اس رات میری خالہ کے پاس تھا) آپ ﷺ بیدار ہوے، وضو کیا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہوے۔(بخاری:698)

۴۔**تلاوت**: رات سونے سے پہلے اور صبح بیدار ہونے کے بعد آپ ﷺ تلاوت کا اہتمام کرتے تھے۔رات سونے سے پہلے سورۂ ملک، سورۂ سجدہ، سورۂ اسرا، سورۂ زمر، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس اور آیت الکرسی اور سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں پڑھا کرتے تھے۔ان کی بڑی فضیلت بھی آئی ہے۔

سورۂ ملک کی تلاوت: حضرت جابرؓ کی روایت ہے۔أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ لَايَنَامُ

حَتّٰی یَقْرَأَ الم التَّنزِیْلَ ،وتَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِہِ الْمُلْكُ ۔(الجامع الصغیر)''آپ ﷺ اس وقت تک نہیں سوتے، جب تک ''الم التنزیل'' (سورۂ سجدہ) اور سورۂ ملک نہ پڑھ لیتے''۔

معوذتین اور اخلاص کی تلاوت: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

كَانَ اِذَا آوىٰ اِلٰی فِرَاشِہٖ نَفَثَ فِیْ كَفَّیْہِ بِقُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ،وَالْمُعَوَّذَتَیْنِ جَمِیْعًا ثُمَّ یَمْسَحُ بِھِمَا وَجْھَہٗ وَمَا بَلَغَتْ یَدَاہُ مِنْ جَسَدِہٖ ۔(بخاری ومسلم)''رسول اللہ ﷺ سونے کے لیے جب بستر پر جاتے تو سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونک لیتے۔ پھر چہرے پر پھیر لیتے اور جسم کے جس حصے تک ہاتھ جاتا وہاں تک اپنے ہاتھ پھیر لیتے تھے''۔

آیۃ الکرسی کی فضیلت: اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بیت المال کا نگران مقرر کیا تھا۔ انھوں نے تین دن تک ایک شخص کو رات میں چُراتے ہوئے پکڑ کر لیا۔ وہ ہر مرتبہ منت سماجت اور اپنے اہل وعیال کے فقر وفاقے کا ذکر کرتا جس کی وجہ سے ابو ہریرہؓ اسے چھوڑ دیتے۔ آخر تیسری مرتبہ اس نے کہا: مجھے چھوڑ دو، میں تمھیں ایک بہتر چیز سکھاؤں گا۔ پھر اس نے کہا:

اِذَا أَوَیْتَ اِلٰی فِرَاشِكَ فَاقْرَأْ آیَۃَ الْكُرْسِیْ مِنْ أَوَّلِھَا حَتّٰی تَخْتِمَ الآیَۃَ ،وَقَالَ لِیْ :لَنْ یَزَالَ عَلَیْكَ مِنَ اللّٰہِ حَافِظٌ وَلَایَقْرَبُكَ شَیْطَانٌ حَتّٰی تُصْبِحَ ۔(بخاری)''جب تم سونے کے لیے اپنے بستر پر جاؤ تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو، پھر اس نے کہا: اللہ کی جانب سے ایک نگران تم پر مقرر ہوگا (جو تمھاری نگرانی کرتا رہے گا) اور صبح تک شیطان تمھارے قریب نہیں آئے گا''۔

سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت: حضرت ابو مسعودؓ کی روایت ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ ھَاتَیْنِ الآیَتَیْنِ مِنْ آخِرِ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ فِی لیلۃٍ كَفَتَاہُ ۔(بخاری ومسلم)''جو شخص رات میں سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو پڑھ لے تو وہ اس کے لیے (ہر شر سے) کافی ہو جائیں گی''۔

۵۔ نماز: رسول اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ جیسے ہی نیند سے بیدار ہوتے تو نمازِ تہجد، نمازِ وتر، فجر کی سنت اور نمازِ فجر ادا کرتے۔ اور رات میں آپ ﷺ کا آخری عمل بھی نماز (عشاء) ہی ہوتا۔ عشا کے بعد کوئی کام کرنے کو، یہاں تک کہ بات چیت کرنے کو بھی آپ ﷺ ناپسند کرتے

تھے۔حضرت ابوبرزہؓ رسول اکرم ﷺ کی راتوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَایُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَاوَلَاالْحَدِیْثَ بَعْدَهَا (**مسلم**:باب استحباب التبکیربالصبح فی أول وقتها)''آپ ﷺ عشا سے پہلے سونے کواورعشا کے بعد بات چیت کونا پسند کرتے تھے''۔

۶۔**ذکر**: صبح اور شام آپ ﷺ اذکار کا اہتمام کرتے۔حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے دریافت کیا کہ کیابات ہے کہ آپؓ ہر دن صبح وشام تین تین مرتبہ یہ دعاپڑھتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَدَنِیْ ،اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ سِمْعِیْ ،اَللّٰهُمَّ عَافِنِیْ فِیْ بَصَرِیْ ،لَااِلٰهَ اِلَّا أَنْتَ۔

انھوں نے جواب دیا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو صبح وشام یہ دعاپڑھتے ہوئے سنا ہے اور میں آپ ﷺ کی سنت سے محبت کرتا ہوں''۔(ابوداؤد:**5090**)

اس کے علاوہ صبح وشام کئی دعائیں آپ ﷺ پڑھا کرتے تھے۔

دیگر معمولات: کچھ اعمال ایسے ہیں جودن کے ساتھ خاص ہیں۔ان کا اہتمام ہوناچاہیے۔

۱۔**پنج وقتہ نمازیں** : ہر بالغ مسلمان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ان کی ادائی میں سستی نفاق کی علامت ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کی طرف داعی اور مبلغ بنا کر بھیجتے ہوئے فرمایا:

اگر وہ شہادتین کا اقرار کرلیں تو انھیں بتانا:اِنَّ اللّٰهَ افْتَرَضَ عَلَیْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ وَلَیْلَةٍ۔(مسلم)''اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں''۔

۲۔**سنن مؤکدہ کا اہتمام**: فرض نمازوں کے علاوہ کچھ نمازیں ایسی ہیں، جنھیں سننِ موکدہ کہا جاتا ہے۔ان کا اہتمام کرنے سے بندۂ مومن کو اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے،اور اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر کرتا ہے۔حضرت ام حبیبہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ یُصَلِّیْ لِلّٰهِ کُلَّ یَوْمٍ ثِنْتَیْ عَشَرَةَ رَکْعَةً تَطَوُّعًا غَیْرَ فَرِیْضَةٍ اِلَّا بَنَی اللّٰهُ لَهُ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ ۔(مسلم:۷۲۸)''جوبھی مسلمان ہر دن فرض نمازوں کے علاوہ بارہ رکعت نفل ادا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک گھر تعمیر کرتا ہے''۔

ظہر سے پہلے چار رکعت، ظہر کے بعد دو رکعت، مغرب کے بعد دو رکعت، عشاء کے بعد دو رکعت اور فجر سے پہلے دو رکعت۔(مسلم)

۳۔**علمِ دین سیکھنا**: دن اور رات میں تھوڑا سا وقت نکال کر علمِ دین سیکھنا چاہیے۔ مومن کی زندگی میں دینی علم کی وہی اہمیت ہے جو جسم کے لیے روح کی ہے۔ دینی علم کے بغیر وہ اللہ کی مرضیات کے مطابق زندگی گزار نہیں سکتا۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ آپ ﷺ اصحاب صفہ کے پاس آئے اور فرمایا: کیا تم میں سے کوئی ایسا ہے جو ہر دن بطحان یا عقیق نامی مقام پر جائے اور دو عمدہ اور قیمتی اونٹ خرید کر لائے۔ اصحاب صفہ نے کہا: یہ ہمارے بس میں نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فَلَأَنْ يَغْدُوَ أَحَدُكُمْ كُلَّ يَوْمٍ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَتَعَلَّمَ آيَتَيْنِ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ نَاقَتَيْنِ وَإِنْ ثَلَاثاً فَثَلَاثٌ مِثْلَ أَعْدَادِهِنَّ مِنَ الْإِبِلِ ۔(ابوداؤد) ''تمھارا ہر دن مسجد جا کر دو آیتیں سیکھ کر آنا ان دو اونٹوں سے بہتر ہے۔ اگر کوئی تین آیتیں سیکھتا ہو تو تین اونٹوں سے بہتر ہے۔ بہر حال! جتنی آیتیں وہ سیکھتا ہو اسی قدر اونٹوں سے وہ بہتر ہے''۔

۴۔**صدقہ و خیرات**: اپنے مال میں سے ہر دن اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہیے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: انسان پر ہر جوڑ اور عضو کی جانب سے ہر دن صدقہ کرنا واجب ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا بھی صدقہ ہے، کسی کو اس کی سواری پر سوار ہونے میں مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔ کسی کو اس کا سامان اٹھا کر دینا بھی صدقہ ہے۔ کسی سے بھلی بات کہنا بھی صدقہ ہے۔ نماز کے لیے چل کر جانا بھی صدقہ ہے۔ کسی کو راہ دکھانا اور راستے سے گندگی کو دور کرنا بھی صدقہ ہے''۔(بخاری)

۵۔**توبہ و استغفار**: توبہ و استغفار کا اہتمام بھی سنت ہے، جن کا آپ ﷺ کثرت سے اہتمام کرتے تھے۔ ہر دن آپ ﷺ کم سے کم سو مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ وَإِنِّيْ لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ۔(مسلم: ۲۷۰۲) ''میرے دل پر بھی کبھی کبھی غفلت طاری ہو جاتی ہے، لہٰذا میں دن میں سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں''۔

۶۔**ذکر و اذکار**: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ ہمیشہ اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔(مسلم: ۳۷۳)

سورۂ آل عمران میں مومن بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ (آل عمران:)

۷۔قیلولہ کرنا: آپ ﷺ کے معمولات میں دوپہر کے وقت قیلولہ کرنا بھی ہے۔ اس کی بڑی اہمیت ہے۔ جب آدمی دوپہر میں کچھ دیر آرام کرلیتا ہے تو تازہ دم ہوجاتا ہے، اور یہ چیز قیام اللیل کے لیے بھی معاون ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کو اپنے ایک گورنر کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ قیلولہ نہیں کرتے ہیں تو انھیں قیلولہ کی ترغیب دیتے ہوے فرمایا:

فَقِلْ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ لَايَقِيْلُ۔(السلسلة الصحيحة) ''قیلولہ کرو، کیوں کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا''۔

کچھ کام ایسے ہیں جن کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے ہے۔

۱۔اپنا کام خود کرنا: رسول اکرم ﷺ خاتم الانبیاء ہونے کے باوجود اکثر اپنے کام خود کیا کرتے تھے۔ کسی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: آپ ﷺ کی مصروفیات گھر میں کیا ہوتی ہیں؟ فرمایا:

كَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ يُفْلِيْ ثَوْبَهُ وَيَحْلُبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ. (احمد،الصحیحۃ)

''آپ ﷺ ایک عام انسان کی طرح رہتے۔ اپنے کپڑے خود سی لیتے، بکری کا دودھ دوہتے اور اپنا کام خود کرلیتے''۔

۲۔اپنی صحت کا خیال رکھنا: اسلام نے دن اور رات کے کچھ کام ایسے بتائے ہیں، جن کا تعلق انسان کی صحت سے ہے۔ صحت کو بنانے اور بگاڑنے میں غذا کا بہت ہی اہم کردار ہوتا ہے۔ اکثر بیماریوں اور صحت کی خرابی کی بنیادی وجہ کھانے پینے میں بے اعتدالی ہوتی ہے۔ اس لیے اسلام نے کھانے پینے میں افراط وتفریط سے بچتے ہوے اعتدال وتوازن سے کام لینے کی تعلیم دی ہے۔ غذا کے سلسلے میں رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا مَلَأَ آدَمِيٌّ وِعَاءً شَرًّا مِّنْ بَطْنٍ .بِحَسَبِ ابْنِ آدَمَ أُكَلَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ ،فَاِنْ كَانَ لَامَحَالَةَ فَثُلُثٌ لِطَعَامِهِ وَثُلُثٌ لِشَرَابِهِ وَثُلُثٌ لِنَفَسِهِ ۔(ترمذی: كتاب الزهد، باب ماجاء فی كراهية كثرة الأكل **:2554**) ''انسان نے اپنے پیٹ سے بُرا کوئی برتن نہیں بھرا۔ انسان کو زندہ رکھنے کے لیے چند لقمے کافی ہیں۔ اگر ضروری ہی ہو تو ایک تہائی کھانے کے لیے، ایک تہائی پینے کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے''۔

۳۔دعاؤں کا اہتمام : اپنی روحانی اور جسمانی صحت کی حفاظت کا ایک اہم ذریعہ دعا ہے۔ صبح وشام کی کچھ دعائیں ایسی ہیں جن کی پابندی سے انسان ہرطرح کی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے صبح شام تین مرتبہ یہ دعا پڑھنے کی تعلیم دی ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ ''اس اللہ کے نام کے ساتھ، جس کے نام کی برکت سے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی، زمین کی ہو یا آسمانوں کی، اور وہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے''۔

اس دعا کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو صبح وشام تین تین مرتبہ اس کو پڑھے گا، اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔حضرت ابان بن عثمانؒ کو ایک دن فالج کا حملہ ہوا۔لوگوں نے پوچھا: آپؒ نے تو کہا تھا کہ جو یہ دعا پڑھے گا، اس کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچاتی۔فرمایا: میں اس دن یہ دعا پڑھنا بھول گیا تھا جس کی وجہ سے اللہ کی تقدیر کا فیصلہ مجھ پر غالب آگیا۔(ترمذی:۳۳۸۸)

احتیاطی تدابیر :صحت کی حفاظت کے لیے آپ ﷺ نے کچھ احتیاطی تدابیر بھی بتائی ہیں، جن میں ہر دن صبح سات عجوہ کھجور کھانا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: جو شخص ہر دن سات عجوہ کھجور کھائے گا، اسے نہ کوئی زہر نقصان پہنچائے گا اور نہ اس پر جادو کا اثر ہوگا۔(بخاری:۵۷۶۸)

دن اور رات کے کچھ کام ایسے ہیں جن کا تعلق گھر، معاشرہ اور دوست احباب سے ہے۔

۱۔گھر والوں کے لیے وقت دینا: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کی نو بیویاں تھیں، وہ سب روزانہ رات کے وقت اس ام المومنین کے گھر جمع ہو جاتیں جن کے یہاں آپ ﷺ کی باری ہوتی۔(مسلم) سب آپ ﷺ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کے بعد اپنے اپنے حجروں کو لوٹتیں۔

۲۔گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانا :حضرت عائشہؓ سے رسول اکرم ﷺ کی گھریلو مصروفیات کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا:

کَانَ یَکُوْنُ فِیْ مِهْنَةِ اَهْلِهٖ تَعْنِیْ خِدْمَةَ اَهْلِهٖ ۔ فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ اِلَی الصَّلَاةِ ۔(بخاری) ''رسول اکرم ﷺ کاموں میں گھر والوں کا ہاتھ بٹاتے، جب نماز کا وقت ہو جاتا تو فوراً گھر سے نکل جاتے''۔

۳۔دوست احباب کے ساتھ کچھ وقت گزارنا :رسول اکرم ﷺ اپنی دینی،

دعوتی، اصلاحی اور گھریلو مصروفیات کے باوجود اپنے دوست احباب کا بھی خاص خیال رکھتے اور کچھ وقت ان کے ساتھ بھی بتاتے تھے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

جب سے میں نے ہوش سنبھالا اپنے گھر والوں کو دین دار پایا، اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا، میں نے رسول اکرم ﷺ کو ہر دن صبح وشام ہمارے گھر آتے ہوئے پایا۔(بخاری)

حضرت جابر بن سمرۃؓ فرماتے ہیں: کسی نے دریافت کیا: کیا آپ کو رسول اکرم ﷺ کی مجلس میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا ہے؟ انھوں نے جواب دیا:

''ہاں! کئی مرتبہ مجھے آپ ﷺ کی مجلس میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا ہے۔آپ ﷺ فجر کی نماز کے بعد اپنی جگہ پر سورج طلوع ہونے تک بیٹھے ذکر میں مشغول رہتے۔ذکر سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ بات چیت میں مشغول ہوجاتے۔جاہلی دور کے بارے میں بھی گفتگو ہوتی، لوگ ہنستے ہنساتے مگر آپ ﷺ صرف مسکراتے تھے''۔(مسلم)

۴۔**نفع رسانی**: معاشرے سے بھی رسول اللہ ﷺ کا گہرا ربط تھا۔لوگوں کے دکھ درد میں شریک ہونا اور ان کے کام آنا آپ ﷺ کی ایک اہم سنت تھی۔

ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے چار سوالات کیے۔آج تم میں سے کون روزے سے ہے؟ تم میں سے کس نے آج مریض کی عیادت کی؟ کس نے آج جنازے میں شرکت کی؟ کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟ کسی نے اثبات میں جواب نہیں دیا، مگر حضرت ابوبکرؓ نے ہر سوال کے جواب میں فرمایا کہ میں نے یہ کام انجام دیا۔آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا اجْتَمَعَتْ هٰذِهِ الْخِصَالُ قَطُّ فِيْ رَجُلٍ فِيْ يَوْمٍ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔(صحیح الترغیب والترھیب: 953)''جو شخص ایک دن میں یہ سارے کام انجام دے، وہ جنتی ہے''۔

رات کے معمولات:

۱۔رات جلد سوجانا: حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کے رات کے معمولات کیا تھے؟ فرمایا: رات کے پہلے پہر سوجاتے اور رات کا آخری حصہ قیام اللیل میں گزار دیتے۔(بخاری)

۲۔رات کا کچھ حصہ عبادت میں گزارنا: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: ایک رات میں نے اپنی خالہ ام المومنین میمونہ کے گھر رات قیام کیا۔جب آدھی رات گزر گئی تو آپ ﷺ بیدار ہوئے۔

آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو چہرے پر مل کر نیند کے اثرات کو زائل فرمائی۔ پھر سورۂ آل عمران کی آخری دس آیتیں تلاوت کیں۔اس کے بعد اٹھے اور پانی کے مشکیزے سے اچھی طرح وضو کیا۔ پھر نماز کے لیے کھڑے ہوگئے۔(بخاری)

۳۔آرام کرنا: رات اللہ نے آرام کرنے اور سونے کے لیے بنائی ہے۔اس لیے اس میں آرام کرنا ضروری ہے، کیوں کہ مومن کا سونا بھی عبادت ہے۔ابوموسیٰ اشعریؓ کا خیال تھا کہ ساری رات جاگ کر عبادت کرنا چاہیے، جب کہ معاذ بن جبلؓ نے فرمایا:

أَمَّـا أَنَـا فَـأَنَـامُ وَأَقُوْمُ وَأَرْجُوْ فِيْ نَوْمَتِيْ مَا أَرْجُوْ فِيْ قَوْمَتِيْ۔(ابوداؤد:۴۳۵۴)''میں رات میں سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں۔ میں سونے کو بھی ویسے ہی ثواب کا کام سمجھتا ہوں جیسے عبادت کرنے کو''۔

بلاضرورت جاگنا گناہ کا باعث ہے۔حضرت خرشہ بن حرفرماتے ہیں:

رَأَيْـتُ عُمَرَ يَضْرِبُ النَّاسَ عَلَى الْحَدِيْثِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَيَقُوْلُ :أَسَمَرًا أَوَّلَ اللَّيْلِ وَنَوْمًا آخِــرَهُ۔ (فتح الباری)''میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ وہ عشاء کے بعد بلاضرورت بات چیت کرنے پر سزا دیتے اور فرماتے کہ رات کا پہلا پہر باتوں میں اور آخری پہر سوکر گزار دیتے ہو؟

فجر نماز ترک کر کے سونے والے کے لیے بڑی سخت وعید آئی ہے۔رسول اکرم ﷺ کو خواب میں کئی عذابات کا مشاہدہ کرایا گیا۔ایک منظر یہ دکھایا گیا کہ ایک شخص کا سر پتھر سے کچلا جا رہا ہے۔ پوچھنے پر بتایا گیا کہ یہ شخص حافظِ قرآن تھا مگر فرض نماز ترک کر کے سو جایا کرتا تھا۔(بخاری)

۴۔رات میں اگر آنکھ کھل جائے تو اس دعا کا اہتمام کرنا چاہیے:

حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

جس کی آنکھ رات میں کھل جائے اور وہ یہ دعا پڑھے: لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ وَحْـدَهُ لَا شَـرِيْكَ لَهُ لَهُ الْـمُـلْكُ وَلَـهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ،اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰـهُ أَكْبَـرُ ،لَا حَـوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ پھر اس کے بعد اللہ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرمائے گا، اور اگر دعا کرے تو اس کی دعا قبول کرے گا۔اور اگر وضو کر کے نماز پڑھے تو اس کی نماز قبول ہوگی۔(بخاری)

شب وروز کے ایک ایک پل کا محاسبہ اور جائزہ بھی ایک مومن کے لیے ضروری ہے۔فرمایا گیا:

یَـاأَیُّھَـاالَّـذِیْـنَ آمَـنُوا اتَّقُوااللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَّاتَّقُوااللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَـعْـمَـلُوْنَ ۔(الحشر:18)''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے (اعمال کا) کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے رہو۔اللہ تمھارے سب اعمال سے باخبر ہے''۔

اس آیت میں قیامت اور آخرت کے لیے اپنی زندگی کا جائزہ لیتے رہنے کی تعلیم دی گئی ہے، مگر آخرت کے لیے لفظ غد (کل) کا استعمال کر کے اس طرف بھی اشارہ کیا گیا کہ آنے والے کل کے لیے آج کا جائزہ لیا جائے اور محاسبہ کیا جائے۔

۵۔ وقت کی پابندی: مومن کے شب وروز کے معمولات میں ایک اہم کام وقت کی پابندی ہے۔دین اور دنیا کے ہر کام کے لیے وقت متعین ہونا چاہیے۔اور ہر کام اسی وقت میں انجام دینا ایک مومن کی پہچان ہونی چاہیے۔عبادت مومن کی زندگی کا بنیادی مقصد ہے۔اس کے لیے وقت متعین ہے۔اسی طرح دنیوی کاموں کے لیے بھی وقت متعین ہونا چاہیے۔اور ہر کام بر وقت انجام دینا چاہیے۔ دن کے کام دن میں اور رات کے کام رات میں۔دن کے کام رات پر ٹالنا یا رات کے کام کو دن پر ٹالنا مومن کی شان کے خلاف ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نصیحت کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

اِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَـنْتَـظِـرِالْـمَسَـاءَ وَاِذَا أَمْسَیْتَ فَلَا تَنْتَظِرِالصَّبَاحَ ۔(بخاری:۶۴۱۶)

''جب تم صبح کرو تو شام کا انتظار مت کرو اور جب شام کرو تو صبح کا انتظار مت کرو''۔

اللہ کے رسول ﷺ سفر میں بھی ہر کام وقت پر کیا کرتے تھے۔حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔پوری رات سفر میں گزری۔صبح ہوی تو حضرت بلالؓ نے اذان دی۔آپ ﷺ نے دو رکعت سنت ادا کی۔پھر فجر کی نماز پڑھائی۔حضرت ابوقتادہؓ فرماتے ہیں:

فَـصَـنَـعَ کَـمَا کَانَ یَصْنَعُ کُلَّ یَوْمٍ ۔آپ ﷺ نے دن کے وہ سارے کام انجام دیے جو ہر دن کیا کرتے تھے''۔(مسلم)

دعا ہے کہ اللہ ہمیں سنتِ نبوی ﷺ کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ✦✦✦

ناموں کا انتخاب اور اسلامی تعلیمات

انسان کی پہچان اس کے نام سے ہوتی ہے۔اسی لیے ناموں کے انتخاب پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے۔ناموں کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد سب سے پہلے انھیں ناموں کا علم عطا کیا اور اسی بنیاد پر انھیں فرشتوں پر فضیلت عطا کی۔ارشاد ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ .قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۔قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۔(البقرہ: ۳۱ تا ۳۳)''اور اللہ نے آدم کو تمام نام سکھا دیے۔پھر انھیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور (ان سے) کہا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔انھوں نے کہا کہ (اے اللہ!) تیری ذات (ہر عیب سے) پاک ہے،ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا ہے۔بے شک تو ہی علم وحکمت والا ہے۔اللہ تعالیٰ نے آدمؑ سے فرمایا:تم ان کے نام بتا دو،جب انھوں نے بتا دیے تو فرمایا کہ میں نے تمھیں (پہلے ہی) نہیں کہا تھا کہ زمین اور آسمان کا غیب میں ہی جانتا ہوں اور میرے علم میں ہے جو تم ظاہر کر رہے ہو اور جو تم چھپاتے ہو''۔

دنیا کے تمام انسان چاہے وہ کسی بھی خطے،مذہب اور زبان سے تعلق رکھتے ہوں،جب ان کے یہاں ولادت ہوتی ہے تو سب سے پہلے بچے کا نام رکھتے ہیں،اور جب بچہ کچھ بولنے کے قابل ہوتا ہے تو اسے اس کا نام سکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔اس کے علاوہ ہر اجنبی سے پہلے اس کا نام جاننے کی کوشش کی جاتی ہے۔انسان جب کوئی اچھا کام کرتا ہے یا کوئی بُرا کارنامہ انجام دیتا ہے تو سب سے پہلے اس کے نام کے بارے میں ہی سوال کیا جاتا ہے۔یہ سب باتیں نام کی اہمیت کو بتاتی ہیں۔

ہر انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کا نام اچھا ہو،لوگ سنتے ہی خوش ہوں،اور عموماً والدین کی بھی کوشش ہوتی ہے کہ ان کے نومولود کا نام عمدہ ہو،یہ الگ بات ہے کہ پسند کا معیار مختلف ہوتا ہے۔کچھ افراد ایسے لوگوں کا نام پسند کرتے ہیں،جنھوں نے تاریخ کا رخ بدلا ہے،

کچھ اپنے بچوں کے لیے مال دار لوگوں کے نام منتخب کرتے ہیں، کچھ اہلِ علم کے ناموں کو معیار بناتے ہیں اور کچھ لوگ نام ور کھلاڑیوں اور مشہور فلمی ستاروں کے ناموں کو پسند کرتے ہیں۔ موجودہ دور میں جن لوگوں کے ناموں کو عوامی مقبولیت حاصل ہو رہی ہے، ان کا تعلق زیادہ تر یا تو کھیل کے میدان سے ہے یا فلمی دنیا سے۔ چناں چہ امریکہ میں ناموں کی مقبولیت کے بارے میں سروے کیا گیا تو معلوم ہوا کہ گزشتہ گیارہ سال میں **2195** لڑکوں کا نام مائیک جیکسن (اداکار) اور **1155** لڑکیوں کا نام سٹیفی (ماڈل گرل) رکھا گیا۔ (روزنامہ جنگ۔ بحوالہ، نام والقاب: **29**)

والدین اپنی اولاد کے لیے جو نام منتخب کرتے ہیں، اس سے ان کی سوچ اور فکر کا اندازہ ہوتا ہے، اور ساتھ ہی اس بات کا پتا چلتا ہے کہ وہ مستقبل میں اپنے بچے کو کیا بنانا چاہتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی زندگی ہمارے لیے ہر شعبۂ حیات میں اسوہ اور نمونہ ہے۔ ناموں کے انتخاب کا اسلامی معیار کیا ہونا چاہیے، اس کی طرف بھی رسول اکرم ﷺ نے ہماری رہ نمائی فرمائی ہے۔

۱۔ پہلی بات آپ ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ نام اچھے ہوں۔ حضرت ابوالدرداءؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَاءِ كُمْ وَأَسْمَاءِ آبَاءِ كُمْ فَأَحْسِنُوْا أَسْمَاءَ كُمْ۔

''قیامت کے دن تمھیں تمھارے اور تمھارے باپ دادا کے ناموں سے پکارا جائے گا، اس وجہ سے اپنے لیے اچھے نام منتخب کرو''۔ (ابوداؤد:)

۲۔ اچھے ناموں کا اچھا اثر اور برے ناموں کا بُرا اثر شخصیت پر ہوسکتا ہے۔ حضرت سعید بن مسیّب کے دادا کا نام ''حَزَن'' تھا، جس کے معنی سختی اور دُرشتی کے ہیں۔ وہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے۔ آپ نے نام دریافت فرمایا تو بتایا: حزن۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ حزن نہیں سہل ہیں۔ انھوں نے کہا: میں اس نام کو نہیں بدلوں گا، جو میرے والد نے رکھا ہے۔ سعید بن مسیّبؒ فرماتے ہیں کہ اسی نام کا اثر ہے کہ ہمارے خاندان میں سختی اور درشتی پائی جاتی ہے۔ (بخاری: **6190**)

یہ انسان کی فطرت ہے کہ ناموں سے اچھا یا برا اثر قبول کر لیتا ہے۔ اچھے نام سے خوش ہوتا ہے تو برے نام سے سہم جاتا ہے۔ انبیا و رُسل، صحابہ کرام اور اللہ کے نیک بندوں کا نام سنتا ہے تو اسے ایک طرح کی خوشی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ابلیس، فرعون، شداد، ابوجہل اور ابولہب جیسے

نافرمانوں کے نام سنتا ہے تو اس کو وحشت ہونے لگتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ بھی اچھے نام سے خوش گوار اثر لیتے تھے۔حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کسی چیز سے فال نہیں لیتے تھے۔لیکن جب کسی خاص شخص کو کسی خاص مہم پر روانہ فرماتے تو اس کا نام دریافت فرماتے۔ نام اچھا ہوتا تو خوش ہوتے۔اگر نام اچھا نہ ہوتا تو چہرۂ مبارک پر ناپسندیدگی کے آثار نظر آنے لگتے۔(ابوداؤد)

حضرت بریدہؓ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کا نام دریافت کیا۔انھوں نے کہا: بریدہ (ٹھنڈک)۔رسول اکرم ﷺ نے اپنے رفیقِ سفر ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا: اے ابو بکرؓ! ہمیں ٹھنڈک حاصل ہوگی۔ پھر بریدہ سے دریافت کیا کہ تم کس قبیلہ کے ہو؟ انھوں نے عرض کیا: قبیلۂ اسلم سے ہوں۔فرمایا: اے ابوبکرؓ! ہم سلامتی میں رہیں گے۔پھر خاندان کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے عرض کیا: سہم (عربی میں سہم تیر کو کہتے ہیں، لیکن مجازاً حصہ کو کہتے ہیں)۔ چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا حصہ نکل آیا۔یعنی تم کامیاب ہوگئے۔(اذکارِ مسنونہ، امام ابن قیم)

۳۔آپ ﷺ نے بعض اچھے اور پسندیدہ ناموں کی نشان دہی بھی کی ہے۔فرمایا:

تَسَمَّوْا بِأَسْمَاءِ الْأَنْبِيَاءِ وَأَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُاللّٰهِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ وَأَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَهُمَامٌ وَأَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَمُرَّةُ ۔(ابوداؤد:4950)''انبیاء کے نام رکھو۔اللہ کے نزدیک سب سے بہترین نام، عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔''حارث'' اور ''ھمام' صداقت پر مبنی نام ہیں اور ''حرب'' اور ''مرۃ'' ناپسندیدہ نام ہیں''۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے پسندیدہ ناموں کے تین معیار بتائے ہیں:

۱۔انبیاء اور نیک لوگوں کے نام: انبیاء کرامؑ اللہ کے منتخب اور پسندیدہ بندے ہیں۔اگر کوئی ان کے نام پر اپنا نام رکھے تو ان کی طرح بننے اور ان کے اخلاق و اوصافِ حمیدہ کو اپنانے کا جذبہ پیدا ہوگا، اسی لیے آپ ﷺ نے انبیاء کرامؑ کے ناموں پر اپنے نام رکھنے کا حکم دیا۔خود اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے ایک بیٹے کا نام ابراہیم رکھا، اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وُلِدَ لِيَ اللَّيْلَةَ غُلَامٌ فَسَمَّيْتُهُ بِاسْمِ أَبِي إِبْرَاهِيمَ ۔(مسلم)''میرے یہاں آج رات ایک لڑکے کی ولادت ہوی، میں نے اپنے باپ کے نام پر ابراہیم رکھا ہے''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ لڑکے کو لے کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوے۔ آپ ﷺ نے بچے کو گود میں لیا، چوما، برکت کی دعا دی اور ابراہیم نام سے نوازا۔ (مسلم)

حضرت عبداللہ بن سلام کے یہاں بیٹا ہوا۔ وہ بچے کو لے کر خدمتِ نبوی میں حاضر ہوے۔ آپ ﷺ نے حسبِ معمول سر پر دستِ شفقت پھیرا ، دعا سے نوازا اور یوسف نام منتخب فرمایا۔ (اسماء الرجال، مشکوۃ المصابیح)

۲۔ وہ نام جو اللہ کے اسماء کی طرف عبد کی اضافت سے شروع ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے بہترین نام "عبداللہ" اور عبدالرحمٰن" ہیں ۔ان ناموں کے پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں اللہ کے لیے بندگی کا اظہار، اور اس بات کا اعتراف کہ معبودِ حقیقی اللہ ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے۔ ان ناموں سے بندے کا اللہ سے گہرا تعلق ظاہر ہوتا ہے۔

اللہ کے ناموں میں "اللہ" اور "الرحمٰن" کو دیگر ناموں پر فضیلت حاصل ہے، کیوں کہ یہ دونوں عَلَمْ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک نام سے معبودِ حقیقی کی الوہیت کا اظہار ہوتا ہے، جسے ہم "اسم اعظم" بھی کہتے ہیں، اور دوسرا اللہ کی رحمت ومحبت پر دلالت کرتا ہے۔ فرمایا گیا:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى۔

(بنی اسرائیل:۱۱۰) "آپ کہہ دیجیے کہ تم اللہ کے نام سے پکارو یا رحمٰن کے نام سے پکارو، جس نام سے چاہو اسے پکارو، تمام بہترین نام اسی کے لیے ہیں"۔

ان ناموں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ قرآن مجید میں عبد کی اضافت اللہ کے انھی دو ناموں کی طرف ہوی ہے۔ سورۂ جن میں ارشاد ہے:

وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا۔ (الجن:19)

"اور جب اللہ کا بندہ (محمد) اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوا تو قریب تھا کہ وہ بھیڑ کی بھیڑ بن کر اس پر پل پڑیں"۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا ۔(الفرقان:63)

"اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی اور عاجزی سے چلتے ہیں"۔

ان میں بھی "عبداللہ" کو "عبدالرحمٰن" پر فضیلت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلا نام

نبی آخر الزماں کے لیے اور دوسرا مومنوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔ان کے علاوہ اللہ کے جتنے بھی اسماء و صفات ہیں،ان کی طرف عبد کی نسبت دے کر نام رکھنا درست ہے۔جیسے: عبدالوہاب، عبدالغفور،عبدالمنان،عبدالرحیم،عبدالودود وغیرہ۔

۳۔وہ نام جن کے معانی اچھے ہوں: پسندیدہ ناموں میں حارث (کھیتی باڑی کرنے والا)اورھمام(بہادر بادشاہ)ہیں۔(مسلم)

حارث نام میں جومفہوم پوشیدہ ہے،اس کی اہمیت کا اپنا مقام ہے۔حارث یعنی کسان کی اہمیت معاشرے میں مسلّم ہے۔وہ اپنی انتھک محنت سے زمین میں بیج بوتا ہے،اورشب وروز اس کی دیکھ بھال اورحفاظت کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کی محنت کا ثمرہ اناج اور غلے کی شکل میں سامنے آتا ہے۔یہی مثال انسانی اعمال کی ہے۔والدین نام کا بیج ولدِ آدم کو عطا کرتے ہیں۔آئندہ زندگی میں اس کو بری صحبت،بُرے خیالات سے اوراعمال صالحہ کے لیے نقصان دہ عادات کے جراثیم سے محفوظ رکھنا والدین کی کوشش کا لازمی حصہ ہے۔آخر ایک دن وہ بھی آئے گا جب اعمال کی فصل تیار ہوگی اوراللہ اس کا نام لے کر اسے پکارے گا۔یہی دن ہوگا،جب اس کا چہرہ مسرور ہوگا۔جب معنوی حیثیت اتنی خوب صورت ہوتو بارگاہِ نبوت سے حارث نام کوسندِ امتیاز کیوں نہ ملے؟

ہمام:(بہادر بادشاہ)حکومت صرف اسی کا حق ہوتا ہے، جواپنی رعایا کے لیے دوڑ دھوپ کر کے ان کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرے،قیامِ صلاۃ اورایتائے زکاۃ کا اہتمام کرے،دشمن سے سامنا ہوتو جواں مردی اورحوصلہ مندی کے ساتھ اس کا مقابلہ کرے، دلیرانہ کردار کا مظاہرہ کرتے ہوئے کفرو شرک،فسق وفجور اورفواحش ومنکرات کودور کرے۔بے شک ہمام (بہادر بادشاہ)ان اوصاف سے متصف ہوتا ہے،اس لیے یہ نام بھی پسندیدہ ہے۔(نام اورالقاب:مؤلف:محمد مسعود عبدہ:56,55)

ناپسندیدہ نام : کچھ نام ایسے ہیں،جن کوشریعت نے ناپسند کیا ہے۔جن میں سے چند یہ ہیں:

ا۔وہ نام جواللہ کے لیے خاص ہیں: ایسے نام رکھنا درست نہیں۔جیسے اپنے لیے'رب' نام رکھنا۔ فرعون نے کہا:اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی۔(النازعات:24)''میں تمھارا سب سے بلند پروردگار ہوں''۔

اسی طرح وہ نام اورصفات جواللہ کے لیے خاص ہیں۔جیسے مالک الاملاک،قاضی القضاۃ، حاکم الحکام وغیرہ۔ا۔رسول اکرم ﷺ کاارشاد ہے:

اِنَّ أَخْنَعَ اسْمٍ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَجُلٌ تُسَمّٰى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ ۔(بخاری)

''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے بُرے نام والا وہ شخص ہے جو اپنا نام ''بادشاہوں کا بادشاہ''(شہنشاہ) رکھے''۔

ایک اور روایت میں ہے:

کبریائی اللہ کو زیب دیتی ہے،اس لیے ایسے نام جو کبریائی پر دلالت کرتے ہیں،مثلا: جبار، متکبر، اکبر وغیرہ انسانوں کو زیب نہیں دیتے۔حضرت بشیر حارثی فرماتے ہیں:

''میں بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا،آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:تمھارا نام کیا ہے؟ عرض کیا:اکبر(سب سے بڑا)۔فرمایا:نہیں!تم ''بشیر''ہو۔(اسد الغابہ)

عزیز:(غالب)حضرت ابوسبرہ یزید بن مالک اپنے دو بیٹوں کے ہم راہ رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔اللہ کے رسول ﷺ نے بیٹوں کے نام پوچھے۔عرض کیا:سبرہ اور عزیز۔ عزیز سے مخاطب ہو کر فرمایا:نہیں!تم عبدالرحمٰن ہو۔(طبقات ابن سعد:ج:۳)

حکم:(فیصلہ کرنے والا)حکم بن سعید بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دریافت کیا:تمھارا نام کیا ہے۔کہا:حکم۔آپ ﷺ نے فرمایا:نہیں!تم عبداللہ ہو۔میں نے عرض کیا:جی ہاں! میں عبداللہ ہوں۔(طبرانی)ایک آدمی کا نام جبار(تسلط رکھنے والا)تھا،آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن سے تبدیل کر دیا۔

۲۔شرکیہ نام:ایسے نام جن میں عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہو۔جیسے عبدالعزی، عبدالکعبۃ، عبدالنبی، عبدالحسین، عبدالرسول وغیرہ۔یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے،جس سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے:''کوئی اپنے خادم کو ''عَبْدِیْ''(میرا بندہ)نہ کہے۔نہ کسی خادمہ کو ''اَمَتِیْ''(میری بندی)کہے۔بل کہ کہے میرا خادم،میری خادمہ''۔(مسلم)

بعض انسانوں کا حال یہ ہے کہ وہ پورے اخلاص کے ساتھ اللہ سے اولاد طلب کرتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ انھیں اولاد عطا کرتا ہے تو اسے غیر اللہ کی طرف منسوب کر کے اس کا نام ''عبدالعزیٰ، عبداللات''وغیرہ رکھتے ہیں۔انسان کے اسی حال کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا

لَئِنْ آتَيْنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۔(الاعراف:۱۸۹،۱۹۰)''پھر جب میاں نے بیوی سے قربت کی تو اس کو حمل قرار پا گیا، ہلکا سا، جس کے ساتھ چلتی پھرتی رہی۔ پھر جب وہ بھاری ہوگئی تو دونوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ اگر تو نے ہمیں تندرست بچہ دیا تو ہم خوب شکرگزاری کریں گے۔ پھر جب اللہ نے ان دونوں کو صحیح (سالم اولاد) دی تو اللہ کی دی ہوی چیز میں وہ دونوں اللہ کے شریک قرار دینے لگے۔ اللہ ان کے شرکیہ اعمال سے برتر وبالا ہے''۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مشرکین کی یہ عادت تھی کہ جب بچہ پیٹ میں ہوتا ہے تو اس کی سلامتی کے لیے دعائیں کرتے۔ جب صحیح سالم بچہ پیدا ہوتا تو اللہ کے اس عطیہ میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے اور اس کا نام ہی ایسا رکھتے جس میں شرک پایا جاتا۔ مثلا: عبدالشمس، عبدالعزیٰ، عبدمناف وغیرہ۔ آج بھی بعض کلمہ گو ہیں جو دعویٰ تو مسلمان ہونے کا کرتے ہیں مگر اپنی اولاد کے نام شرکیہ رکھتے ہیں۔ مثلاً: عبدالنبی (نبی کا بیٹا)، عبدالرسول (رسول کا بیٹا)، وغیرہ۔

اسی طرح رسول بخش، عطارسول، غوث بخش، پیر بخش، نبی بخش، امام بخش، حسین بخش، وغیرہ نام رکھنا بھی درست نہیں، کیوں کہ بخشش وعطا صرف اللہ کی صفت ہے۔ اسی طرح فیض الحسن (حسن کا فیض)، امدادِ علی، (علی کی مہربانی)، کرم علی (علی کا کرم)، نوازشِ علی، (علی کی نوازش) فضلِ حسین، (حسین کا فضل) شریعت اللہ (اللہ کا قانون) ظلِ سبحانی، ظلِ الٰہی (اللہ پاک کا سایہ) یہ دونوں نام بھی شرکیہ ہیں۔ ہندو اور یونانیوں کے عقیدے کے مطابق خدا کسی شخص کو اپنی ذات کا مظہر قرار دے کر اس کی صورت میں زمین پر اترتا ہے۔ اس کا نام ظل ہے۔ (نام اور القاب، ص:75)

۳۔ وہ نام جن کے معانی اچھے نہ ہوں: اللہ کے نزدیک برے نام 'حرب' اور 'مرۃ' ہیں۔ (ابوداؤد)

حضرت علیؓ نے اپنے بچوں کا نام حرب رکھنا چاہا، مگر آپ ﷺ نے حسن اور حسین پسند فرمایا۔ (البزار)

آپ ﷺ نے سنا کہ ایک شخص دوسرے سے نام پوچھ رہا تھا تو اس نے کہا: میرا نام شہاب ہے، (یعنی شیطان پر مارے جانے والا شعلہ)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ تم ہشام ہو۔ (احمد، صححہ الالبانی)

عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے بیٹے کا نام ''حباب'' (شیطان کا نام) تھا۔ یہ بڑے صحابی

تھے۔آپ نے حباب کے بدلے عبداللہ نام سے نوازا۔(مجمع الزوائد:۱۲۵/۳)

۴۔تزکیہ والے نام: ایسے نام رکھنا بھی درست نہیں جن سے اپنا تزکیہ ظاہر ہوتا ہو۔حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ زینب کا نام ''برۃ'' تھا۔ان سے کہا گیا کہ کیا تم اپنی پاک بازی کا خود ہی دعویٰ کرتی پھرتی ہو۔پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ۔ (النجم:32)''اپنے آپ کو پاک باز تصور مت کرو، اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کون زیادہ پرہیز گار ہے''۔اللہ کے رسول ﷺ نے ان کا نام بدل کر زینب رکھا۔(بخاری ومسلم)

۵۔اسی طرح آپ ﷺ نے 'یسار'، 'رباح'، 'نجیح'، 'افلح' جیسے نام رکھنے سے منع فرمایا۔حضرت سمرہ بن جندبؓ سے روایت ہے، رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اپنے غلاموں کے نام 'یسار' (آسانی، تونگری) رباح (نفع، فائدہ) نجیح (درست رائے رکھنے والا) اور افلح (کامیاب) نہ رکھو، اس لیے کہ اگر تم کسی سے پوچھو: وہ اس جگہ ہے، وہ نہ ہو تو تم کہو گے: نہیں۔(مسلم)

اگر ہم ایسے نام والی شخصیت کے بارے میں کہیں، وہ یہاں نہیں تو اس کا یہ مفہوم بھی لیا جا سکتا ہے کہ اللہ کی یہ نعمت یہاں نہیں ہے۔جو اچھا کلمہ نہیں۔رسول اکرم ﷺ نے کھلے لفظوں میں ایسے ناموں سے منع نہیں فرمایا، البتہ ان ناموں کو آپ ﷺ نے پسند نہیں کیا، اس لیے ایسے نام نہ رکھنا ہی بہتر ہے۔

ناموں کے اثرات کے پیشِ نظر آپ ﷺ ناموں کے انتخاب پر بڑی توجہ دیتے تھے۔اچھے ناموں کو پسند فرماتے اور انھیں رکھنے کی تلقین کرتے۔برے ناموں کو ناپسند کرتے اور انھیں بدل دیتے تھے۔آپ ﷺ نے کئی صحابہ کے نام تبدیل فرمائے۔صحیح مسلم میں عبداللہ ابن عمرؓ سے مروی ہے، کہ حضرت عمرؓ کی ایک بیٹی کا نام ''عاصیۃ'' (نافرمان) تھا۔آپ ﷺ نے بدل کر ''جمیلۃ'' رکھا۔(2139)

حضرت ابو بکرؓ کا نام عبدالکعبہ تھا، آپ ﷺ نے بدل کر عبداللہ رکھا۔حضرت ذوالبجادین کا نام عبدالعزی تھا، آپ ﷺ نے بدل کر ان کا نام بھی عبداللہ رکھا۔عبدالرحمٰن بن عوف کا نام عبدالعزی تھا، تبدیل کر کے عبدالرحمٰن رکھا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ناموں کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین ○○○

خدمتِ خلق عبادت ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کچھ اس طرح کی ہے کہ وہ ابنائے جنس کے بغیر رہ نہیں سکتا اور ان کا تعاون حاصل کیے بغیر زندگی گزار نہیں سکتا۔ انسانی معاشرے کا وجود ہی خدمت اور تعاون کی بنیاد پر قائم ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مال ودولت، جاہ ومنصب اور عقل وفراست وغیرہ کی شکل میں جو مادی اور معنوی نعمتیں عطا کی ہیں، ان میں فرق اور تفاوت کو ملحوظ رکھا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضاً سُخْرِيّاً. (الزخرف: ۳۲) ''اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تا کہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے''۔

خدمتِ خلق کی اہمیت اور فضیلت: خدمتِ خلق ایک مقدس فریضہ ہے، یہ ایک ایسا فریضہ ہے جو انسان کے اندر ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات ابھارتا ہے اور ایسا وصف ہے جو انسان کو اللہ کے پاس ممتاز کرتا ہے۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا: أحب الناس إلى الله أنفعهم وأحب الأعمال إلى الله عزوجل سرور تدخله على مسلم أو تكشف عنه كربة أو تقضى عنه ديناأو تطرد عنه جوعا۔ (صحيح الجامع الصغير: حدیث نمبر: ۱۷۶) ''لوگوں میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ فائدہ پہنچانے والا ہو، اور اعمال میں سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عمل وہ خوشی ہے جو آپ کسی مسلمان تک پہنچائیں، یا اس کی کسی پریشانی کو دور کریں یا اس کی طرف سے قرض ادا کردیں یا کھانا کھلا کر اس کی بھوک ختم کردیں''۔

سورۂ بلد میں ایمان اور عمل صالحہ سے پہلے خدمتِ خلق کا ذکر کر کے اس کو بڑی کامیابی بتایا گیا: فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ. وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ. فَكُّ رَقَبَةٍ. أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَة. يَتِيماً ذَا مَقْرَبَة. أَوْ مِسْكِيناً ذَا مَتْرَبَةٍ. (البلد: ۱۱ تا ۱۵) ''وہ شخص گھاٹی سے ہو کر نہ نکلا اور آپ کو معلوم ہے

گھاٹی کیا ہے ،وہ کسی گردن کوغلامی سے چھڑانایافاقہ کے دنوں میں کھانا کھلانا کسی قرابت داریتیم کویاکسی خاک نشین محتاج کو‘‘۔

خدمت عبادت ہے: خدمتِ خلق دراصل عبادت ہے،اسی لیےقرآن مجید میں بہت سے مقامات پرتوحید جیسی اہم عبادت کے ساتھ خدمتِ خلق کاذکرکیا گیاہے۔سورۂ نساء میں ارشادہے: وَاعْبُدُواْ اللّٰهَ وَلاَ تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئاً وَّبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِيْ الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْجَارِ ذِيْ الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ .(النساء:۳٦)’’اورتم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرواوراس کے ساتھ کسی چیزکوشریک مت کرواوروالدین کے ساتھ اچھامعاملہ کرواوراہلِ قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی،اورغریب غرباء کے ساتھ بھی اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اوردوروالے پڑوسی کے ساتھ بھی اورہم مجلس کے ساتھ بھی اورراہ گیرکےساتھ بھی اوران کےساتھ بھی جوتمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں‘‘۔

اہلِ کتاب کے پاس عبادت اورنیکی کا بہت ہی محدودتصورتھا،کچھ ظاہری رسومات ہی کو وہ عبادت سمجھتے تھے۔قرآن مجید میں ان کے اس خیال کی تردیدکرتے ہوے عبادت اورنیکی کا جووسیع تصورپیش کیا گیااس میں خدمتِ خلق بھی شامل ہے۔جیسا کہ سورہ بقرہ میں فرمایا گیا: وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِيْ الْقُرْبٰى وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِيْ الرِّقَاب ۔ (البقرۃ:۱۷۷)’’(نیکی تویہ ہے کہ....)مال سے محبت کے باوجودقرابت داروں،یتیموں،مسکینوں، مسافروں اورسوال کرنے والوں کودےاورغلاموں کوآزادکرے...‘‘۔

- اسلام کی کئی عبادتیں ایسی ہیں جن کامقصودہی بندوں کے ساتھ ہمدردی اورمخلوق کی خدمت ہے۔زکوۃ خالص مالی عبادت ہے،جس کامقصودمعاشرے کےغریب افرادکاتعاون اورخدمت ہے۔
- رمضان کے روزوں کے بعدعیدکی نماز سے قبل ہرمسلمان پرضروری ہے کہ وہ صدقۂ فطر اداکرے،اس کی ایک وجہ مسلم معاشرے کےمحتاجوں اورغریبوں کی مدد ہے،جیسا کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں: فرض رسو ل اللهﷺ زكوة الفطر طهرة للصائم من اللغو والرفث وطعمة للمساكين ۔

(ابوداؤد: کتاب الزکوۃ) ''رسول اکرم ﷺ نے صدقۂ فطر کو ضروری قرار دیا ہے جو روزے دار کو (حالتِ روزہ کی) لغو حرکتوں اور ناپسندیدہ باتوں سے پاک کرتا ہے اور اس میں مسکینوں کی روزی ہے''۔

حقیقت یہ ہے کہ جو بھی عمل اخلاص کے ساتھ کیا جائے وہ عبادت بن جاتا ہے، معاشرے کے افراد کی خدمت بھی اخلاص اور نیک جذبے کے ساتھ کی جائے تو وہ بھی عبادت بن جاتی ہے، اسی لیے فرمایا گیا: فَآتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ذٰلِكَ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (الروم: ۳۸) ''پس قرابت دار کو، مسکین کو، مسافر کو اور ہر ایک کو اس کا حق دیجیے، یہ ان کے لیے بہتر ہے جو اللہ کی خوشنودی چاہتے ہیں، ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں''۔

سورۂ دہر میں اہلِ ایمان کی اسی خصوصیت کا ذکر کیا گیا کہ وہ خالص اللہ کی رضا جوئی کے لیے صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور غریبوں کے کام آتے ہیں، چنانچہ فرمایا گیا: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّأَسِيْرًا. إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُوْرًا. (الدھر: ۸،۹) ''اور اللہ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدیوں کو، ہم تو تمہیں صرف اللہ کی رضامندی کے لیے کھلاتے ہیں نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں نہ شکر گزاری''۔

خدمت بعض اہم عبادات کے برابر : تہجد اور قیام اللیل بہت ہی اہم عبادت ہے، یہ اللہ کے نیک اور متقی بندوں کا شعار ہے، روزہ بھی ایک اہم عبادت ہے، حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: الصوم لی وأنا أجزی به ۔ (مسلم: باب فضل الصیام) ''روزہ میرے لیے ہے، میں ہی اس کا اجر وثواب عطا کروں گا''۔ اسی طرح اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی بڑے اجر وثواب کا کام ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے خدمتِ خلق کو اجر وثواب میں ان تین اہم عبادات کے برابر قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: الساعی علی الأرملة والمسکین کالمجاهد فی سبیل الله وکالقائم لایفتر وکالصائم لایفطر ۔ (مسلم: باب الإحسان إلی الأرملة والمسکین) ''بیواؤں اور یتیموں کی خدمت کرنے والا اور ان کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا (اجر وثواب میں) اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے، ہمیشہ تہجد کا اہتمام کرنے والے اور مسلسل روزے رکھنے والے کے برابر ہے''۔

خدمت نفل عبادت سے افضل ھے: بعض احادیث میں آپ ﷺ نے خدمتِ خلق کونفل عبادات سے افضل قرار دیا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ولأن أمشی مع أخی المسلم فی حاجة أحب إِلیّ من أن أعتکف فی المسجدشهرا ۔(صحیح الجامع الصغیر : حدیث نمبر:۱۷۶)
''مسلمان بھائی کے کسی کام کے لیے اس کے ساتھ چلنا مجھے مسجد میں ایک مہینہ اعتکاف کرنے سے زیادہ محبوب ہے''۔

خدمت بعض عبادات کابدل ھے: انسان بسا اوقات بیماری یا جسمانی کمزوری کی وجہ سے بعض عبادات انجام نہیں دے سکتا،ایسے حالات میں اسلام نے اس کے لیے آسانی اور سہولت پیدا کردی اوران عبادات کے بدلے مخلوق کی خدمت کی صورتیں تجویز کی ہیں:

(۱)**روزے کابدل**: جو شخص بڑھاپے یا ایسی کمزوری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز وقاصر ہو جس سے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہوتو وہ روزہ چھوڑ دے اور ہر دن کے عوض ایک مسکین کوکھانا کھلادے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ. (البقرۃ:۱۸۴)
''اور وہ لوگ جوایک مسکین کوکھانا کھلاسکیں ان پرایک روزے کابدلہ ایک مسکین کا کھانا ہے''۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ رخصت ان بوڑھوں کے لیے نازل ہوی جنھیں روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو،تو وہ ہر روزے کے عوض ایک مسکین کوکھانا کھلادیں''۔(صحیح بخاری: کتاب التفسیر)

(۲)**حج میں فدیه کی صورتیں**: حاجی کے لیے حالتِ احرام میں سرمنڈھانا منع ہے۔ اگر کسی تکلیف یا بیماری کی وجہ سے بال نکالنے کی ضرورت پیش آجائے تو حاجی کے لیے ضروری ہے کہ فدیہ ادا کرے۔فدیہ کی صورتیں ذکر کرتے ہوے فرمایا گیا: فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضاً أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُك. (البقرۃ:۱۹۶)''البتہ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو(جس کی وجہ سے سر منڈالے) تو اس پر فدیہ ہے،خواہ روزے رکھے،یا صدقہ کرے،یا قربانی کرے''۔

بعض گناھوں کی تلافی خدمتِ خلق کے ذریعے: ہرانسان سے بتقاضائے

بشریت گناہوں کا صدور ہوتا رہتا ہے، بہت سے گناہ ایسے ہیں جن کی تلافی توبہ واستغفار سے ہوجاتی ہے مگر بعض گناہ ایسے ہیں جن کی تلافی کی صورت خدمتِ خلق بتائی گئی ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱)**قسم کا کفارہ**: قسم کھانے کے بعد اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا: وَاحۡفَظُوۡاۤ أَيۡمَانَكُمۡ .(المائدۃ:۸۹) ''اور اپنی قسموں کا خیال رکھو''۔

قسم کھانے کے بعد اس کو توڑ دینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، ایسے شخص پر کفارہ ادا کرنا ضروری ہے، اس کا کفارہ یہ بتایا گیا: فَكَفَّارَتُهُۥۤ إِطۡعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنۡ أَوۡسَطِ مَا تُطۡعِمُونَ أَهۡلِيكُمۡ أَوۡ كِسۡوَتُهُمۡ أَوۡ تَحۡرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ. (المائدۃ:۸۹) ''اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا دینا ہے اوسط درجے کا جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا ہے اور جس کو مقدور نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں''۔

(۲)**ظہار سے رجوع کا طریقہ**: ''عرب میں رواج تھا کہ لوگ بیوی سے ناراض ہوتے تو اسے ماں کے مثل قرار دے کر ازدواجی تعلقات ہمیشہ کے لیے توڑ لیتے تھے، اسے ظِہار کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے اس بے ہودگی پر تنقید کی اور کہا کہ بیوی کبھی ماں نہیں ہوسکتی۔ جو شخص اپنی بیوی کو ماں قرار دے بیٹھے اور پھر اس سے رجوع کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ بتایا گیا کہ پہلے بطور کفارہ ایک غلام آزاد کرے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو مسلسل ساٹھ روزے رکھے اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ اس کے بغیر بیوی سے تعلقات قائم نہیں ہوسکتے''۔(المجادلۃ:۲،۳)

(۳)**قتلِ خطا کی دیت**: قتل اسلام میں بہت بڑا جرم ہے، اگر کوئی ناحق عمداً کسی مسلمان کو قتل کر دے تو دنیا میں اس کی سزا یہ ہے کہ بدلے میں اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر قاتل توبہ نہ کرے تو آخرت میں اس کی سزا ابدی جہنم ہے۔(النساء:۹۳) اور اگر کوئی غلطی سے اسلامی مملکت کے کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس پر مقتول کی دیت (دیت کی مقدار احادیث کی رو سے سو اونٹ یا اس کے مساوی قیمت ہے) ادا کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے، اور اگر مقتول کسی ایسی ریاست کا فرد ہے جس سے اسلامی ریاست کی جنگ جاری ہے، تو وہ صرف

مسلمان غلام آزاد کرے گا، اس سے دیت نہیں لی جائے گی، ہاں اگر مقتول جس ریاست کا شہری ہے اس سے اسلامی ریاست کا معاہدۂ صلح ہو تو طے شدہ دیت بھی دی جائے گی اور ایک مسلمان غلام کو بھی آزاد کیا جائے گا۔ البتہ اگر کوئی شخص غلام نہ پائے تو اس پر پے در پے دو مہینوں کے روزے رکھنا ضروری ہے۔ (النساء:۹۲)

(۶) روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے مباشرت کا کفارہ: جو شخص ماہِ رمضان میں رات کے وقت یعنی غروبِ آفتاب سے لے کر طلوعِ فجر کے درمیان اپنی بیوی سے مباشرت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اگر وہ دن کے وقت یعنی طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب کے درمیان روزے کی حالت میں مباشرت کرے تو وہ گنہگار اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافرمان ہوگا۔ اس پر روزے کی قضا کے ساتھ اس کا کفارہ بھی لازم ہوگا جو ایک غلام آزاد کرنا ہے۔ اور اگر غلام میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھنا اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔ (بخاری: کتاب الصوم: باب اذا جامع فی رمضان.....)

خدمتِ خلق سے غفلت برتنے والوں کا انجام :قرآن مجید میں خدمتِ خلق سے غفلت برتنے والوں کے لیے سخت وعیدیں آئی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدمتِ خلق سے وہی شخص منہ موڑ سکتا ہے جو خدا فراموش ہو، اور جس کے دل سے جزا و سزا کا تصور نکل چکا ہو، سورۂ فجر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ. وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ (الفجر:۱۷،۱۸) ''ایسا ہرگز نہیں! بلکہ (بات یہ ہے) کہ تم (ہی) لوگ یتیموں کی عزت نہیں کرتے، اور مسکینوں کو کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے''۔

- سورۂ ماعون میں یتیموں کے ساتھ بدسلوکی اور مسکینوں سے بے اعتنائی کو قیامت کی تکذیب کے مترادف بتایا گیا اور معمولی چیزوں کے ذریعے لوگوں کی خدمت نہ کرنے کو منافقین کی صفات میں شمار کیا گیا۔
- سورۂ حاقہ میں جہنم کی ہولناکی اور جہنمیوں کے حالات کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا گیا: إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ. وَلَا يَحُضُّ عَلَى طَعَامِ الْمِسْكِينِ. (الحاقۃ:۳۳،۳۴) ''بے شک یہ

عظمت والے اللہ پر ایمان نہ رکھتا تھا اور غریب آدمی کے کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا''۔

▬ خود جہنمی دخولِ جہنم کا ایک سبب خدمتِ خلق سے غفلت بتائیں گے۔ جیسا کہ جنتیوں کے ایک سوال کے جواب میں کہیں گے: قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ. وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ (المدثر: ۴۳، ۴۴) ''وہ کہیں گے کہ ہم نمازی نہ تھے، اور نہ مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے''۔

خدمت خلق کی اس قدر اہمیت کے باوجود موجودہ دور میں مسلم معاشرے کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ عوام و خواص سب کے سب اس اہم عبادت سے بہت حد تک غافل ہیں، بلکہ اس کا شعور تک معاشرے میں نہیں پایا جاتا۔ خود غرضی اور مفاد پرستی کے غلبے نے ایثار و قربانی کا مزاج ہی ختم کر دیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ خدمتِ خلق کی طرف توجہ دی جائے، اسلام نے اسے جس قدر اہمیت دی ہے اس قدر ہم عملی زندگی میں اسے اہمیت دیں، اور خلقِ خدا کی خدمت کر کے دونوں جہانوں میں سرخ رو ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خدمت خلق کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ✦✦✦

جذباتیت سے اجتناب

انسان کی انفرادی اوراجتماعی زندگی میں بسااوقات ایسے واقعات پیش آتے ہیں، جن میں وہ جذبات سے مغلوب اورغیظ وغضب میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ وہ چاہتاہے کہ انتقامی کارروائی کرے اور جیسے بھی ممکن ہومخالف سے بدلہ لے کراس پراپنی برتری ثابت کرے۔ایسے حالات میں اکثر فائدے کی بجائے نقصان ہی ہوتا ہے۔ یہ نقصان کبھی انفرادی ہوتاہے تو کبھی اجتماعی نوعیت کا۔کبھی دنیوی ہوتاہے تو کبھی اس کا دین اوراس کی آخرت بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں۔اس طرح کے نقصان کے بعداکثر کفِ افسوس ملنے کے سوا کوئی اور چارہ نہیں رہتا۔ایسے ہی بعض حادثات عہدِ نبوی میں پیش آئے جن میں مسلمان دینی اوراخروی نقصان سے دوچار ہوے۔

حضرت اسامہ بن زیدؓفرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم (صحابہ) کوایک جنگی مہم پر روانہ فرمایا۔ جب ہم قبیلۂ جہینہ کے علاقے میں پہنچے تو وہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوے۔ راستے میں ایک شخص نظر آیا۔جب ہم نے اسے قتل کرنے کے لیےتلواراٹھائی تواس نے ’’لاالہ الا اللہ‘‘ کااقرار کیا،مگر ہم نے اس کوقتل کردیا۔میں نے رسول اکرم ﷺ سے اس واقعے کاتذکرہ کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا: کیا’’لاالہ الا اللہ‘‘ کہنے کے باوجودتم نے اسے قتل کردیا؟انھوں نے کہا:اس نے توقتل ہونے کے ڈرسے’’لاالہ الا اللہ‘‘ کااقرار کیاتھا۔آپ ﷺ نے فرمایا:أَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ حَتّٰى تَعْلَمَ أَقَالَهَا أَمْ لَا؟ کیاتم نے اس کا سینہ چیرکردیکھاتھا کہ اس نے قتل ہونے کے ڈرسے کہاتھایاصدقِ دل سےاقرار کیا تھا؟ آپ یہ کلمات باربار دہراتے رہے(حضرت اسامہؓ کہتے ہیں کہ) میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش میں اس واقعے کے بعدمسلمان ہواہوتا‘‘۔(مسلم:96،ابوداؤد :2643)

حضرت سلیمان بن صردؓفرماتے ہیں کہ ہم رسول اکرم ﷺکی مجلس میں تھے۔دوآدمی آپس میں الجھ پڑے۔غصے کی وجہ سے ایک کی حالت دگرگوں ہونے لگی۔سانس پھولنے لگی اورچہرہ سرخ ہونے لگا۔ یہ کیفیت دیکھ کرآپ ﷺ نے فرمایا: میں ایک ایساکلمہ جانتاہوں،اگر یہ شخص اس کلمے کواداکرےتو اس کاغصہ ٹھنڈاہوجائے گا۔لوگوں نے اس شخص سے رسول اکرم ﷺ کی اس بات کاتذکرہ کیاتو اس شخص نے جواب دیا:اِنِّیْ لَسْتُ بِمَجْنُوْنٍ۔’’میں پاگل نہیں ہوں‘‘۔(بخاری:6115)

غور کریں کہ یہ شخص غصے کی وجہ سے اس قدر بے قابو ہوگیا کہ رسول اکرم ﷺ کی بات کو ٹھکرا دیا، حالاں کہ رسول اکرم ﷺ کی بات کو ٹھکرانا کفر کا باعث ہے۔

انھی نقصانات کی وجہ سے اسلام نے ایسے مواقع پر جذبات کو قابو میں رکھنے اور انتقامی کارروائی میں جلد بازی نہ کرنے کی تعلیم دی ہے۔ ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے مختصر نصیحت کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا تَغْضَبْ ۔ غصہ مت کرو، غصے پر قابو رکھو۔ وہ بار بار یہی سوال دہراتا رہا۔ ہر مرتبہ آپ ﷺ اسے یہی نصیحت کرتے رہے کہ غصے کو قابو میں رکھو۔ (ترمذی: 2020)

اہل ایمان کی یہ صفت بتائی گئی کہ وہ غصے کو پی جاتے ہیں۔ قرآن میں ارشاد ہوا:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ (آل عمران: 134) ''جو لوگ خوشی اور غم ہر حال میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے''۔

غصے کو پی جانا اور جذبات کو قابو میں رکھنا بڑی فضیلت والا عمل ہے۔ یہی وہ عمل ہے جس کی وجہ سے لوگ دنیا میں امامت اور سیادت کے مستحق ہوتے ہیں۔ فرعون اور قومِ فرعون قومِ بنی اسرائیل پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہی تھی۔ حضرت موسیٰؑ نے قومِ بنی اسرائیل کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ (الأعراف: 128) ''اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، بے شک یہ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے، اور آخرت کی کامیابی اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے ہے''۔

اس صبر وتحمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قومِ فرعون کو ہلاک کیا اور بنی اسرائیل کو دنیا کی سیادت اور قیادت عطا فرمائی۔ اس عطیۂ ربانی کا سبب بیان کرتے ہوئے سورۂ سجدہ میں فرمایا گیا:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۔ (السجدۃ: 24) ''اور جب انھوں نے (دین کی راہ میں تکلیف واذیت پر) صبر کیا تو ہم نے ان میں بہت سے رہ نما پیدا کیے جو ہمارے حکم کے مطابق لوگوں کی رہ نمائی کرتے تھے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے''۔

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کو فرماتے ہوے سنا :

بِـالصَّبْرِ وَالْيَقِيْنِ تُنَالُ الْإِمَامَةُ فِي الدِّيْنِ ۔(مدارج السالکین)''صبر اور یقین کے ذریعے ہی دینی قیادت حاصل کی جاسکتی ہے''۔

صبر وتحمل اور برداشت سے کام لینے والوں کو آخرت میں بڑے انعام سے نوازا جائے گا۔

حضرت معاذؓ راوی ہیں، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَـنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُنْفِذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ عَلٰى رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْـقِيَـامَةِ حَتّٰـى يُخَيِّرَهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ مَا شَاءَ ۔(ترمذی:2493)''جو شخص غصے کا اظہار کرنے پر قادر ہو، اس کے باوجود غصے کو پی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن سب کے سامنے بلائے گا اور اس کو اختیار دے گا کہ جنت کی حوروں میں جسے چاہے منتخب کرلے''۔

رسول اکرم ﷺ کو قرآن مجید میں جگہ جگہ صبر وتحمل اور برداشت کی تلقین کی گئی۔ دوسری ہی وحی میں دعوت وتبلیغ کا حکم دیتے ہوے فرمایا: وَلِـــرَبِّكَ فَـــاصْبِـــرْ ۔(المدثر:7)''اپنے رب کے لیے صبر کیجیے''۔ کہیں فرمایا: فَـــاصْبِـــرْ صَبْـرًا جَـمِيْلًا ۔(المعارج:5)''آپ صبر جمیل سے کام لیجیے''۔ سورۂ احقاف میں فرمایا گیا: فَـاصْبِـرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ ۔(الأحقاف:35)''آپ صبر کیجیے جیسا کہ اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا''۔

آپ ﷺ کی سیرت صبر وتحمل اور برداشت کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

رسول اکرم ﷺ دعوت وتبلیغ کی غرض سے طائف تشریف لے گئے۔ دعوتِ دین کی پاداش میں وہاں کے لوگوں نے اس قدر پتھر برسائے کہ آپ ﷺ لہولہان ہوگئے اور بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ جب افاقہ ہوا تو نظریں اٹھا کر دیکھا تو بادل کا سایہ نظر آیا، اس میں حضرت جبریلؑ تھے، انھوں نے فرمایا کہ آپ کی قوم نے آپ کے ساتھ جو سلوک کیا اور آپ کی دعوت کا جو جواب دیا اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا۔ اس نے پہاڑوں کے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا ہے۔ جو آپ حکم دیں گے، وہ اس کی بجا آوری کریں گے۔ پہاڑوں کے فرشتے نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو طائف والوں کو ان دو پہاڑوں کے درمیان ہلاک کردوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

بَـلْ أَرْجُـوْ أَنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَّعْبُدُاللّٰهَ وَحْدَهُ لَايُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا۔''(اگر یہ

لوگ مسلمان نہیں ہوتے ہیں تو کوئی بات نہیں۔) مجھے اللہ کی ذات سے امید ہے کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ایک اللہ کی عبادت کرنے والے ہوں گے۔(بخاری: 3231)

غصے کے تعلق سے اسلام نے ہمیں بہت سی تعلیمات دی ہیں۔ان میں سے چند یہ ہیں:

ا۔جب بھی غصہ آئے اور جذبات بے قابو ہوں تو ''أَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ'' پڑھ لینا چاہیے۔ایک موقع پر آپ ﷺ کی مجلس میں جو دو ساتھی جھگڑ پڑے۔ان میں سے ایک کے غضب ناک ہونے پر آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم ہے کہ اگر وہ اس کلمے کو پڑھے تو اس کا غصہ دور ہو جائے گا۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کلمہ:أَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ہے۔

۲۔جذبات کو قابو میں رکھیں۔غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھنا اور اپنے جذبات پر کنٹرول کرنا اصل بہادری ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَیْسَ الشَّدِیْدُ بِالصُّرَعَةِ. اِنَّمَا الشَّدِیْدُ الَّذِیْ یَمْلِکُ نَفْسَهٗ عِنْدَالْغَضَبِ۔ (بخاری:6114)''طاقت ور وہ نہیں ہے جو کشتی میں اپنے مدِ مقابل کو پچھاڑ دے۔بل کہ حقیقی طاقت ور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے''۔

حنین کی جنگ میں مسلمانوں کو بہت سارا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔اللہ کے رسول ﷺ نے معمول کے برخلاف تالیفِ قلب کی خاطر ان لوگوں کو زیادہ عطا کیا جو ابھی ایک سال قبل فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے۔کسی گستاخ نے کہا: اس تقسیم میں انصاف نہیں ہوا، اور نہ یہ تقسیم اللہ کی خاطر کی گئی۔ جب رسول اکرم ﷺ کو یہ بات معلوم ہوی تو آپ ﷺ غضب ناک ہو گئے اور غصے سے آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا، مگر فوراً اپنے غصے پر قابو پا لیا، اور فرمایا: فَمَنْ یَّعْدِلُ اِذَا لَمْ یَعْدِلِ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ۔ اگر اللہ اور اس کے رسول انصاف نہ کریں تو پھر کون انصاف کرے گا؟

پھر ارشاد ہوا: ''اللہ تعالیٰ موسیٰؑ پر رحم فرمائے، لوگوں نے ان کو اس سے زیادہ ستایا، پھر بھی انھوں نے صبر وتحمل سے کام کیا''۔(بخاری: 3150)

۳۔عفو اور درگزر سے کام لیں۔جب کوئی تکلیف دے اور نقصان پہنچائے تو اسے معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہیے۔یہ ایسا عمل ہے جس کا ثواب اللہ تعالیٰ عطا کرے گا۔فرمایا:

وَجَزَاءُ سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۔(الشوریٰ: 40)''اور برائی

کا بدلہ اسی کے مثل برائی ہے۔ پس جو معاف کردے اور اصلاح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے''۔

خصوصاً اعدائے اسلام کو معاف کرنے اور درگزر کرنے کی تعلیم دی گئی۔ ارشاد ہوا:

قُلْ لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَايَرْجُوْنَ أَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔(الجاثیہ:14)'' آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ وہ ان لوگوں کو درگزر کریں جو اللہ کے عذاب کے دنوں کی امید نہیں رکھتے، تا کہ وہ ایک قوم کو ان کے کیے کا بدلہ دے''۔

اس طرزِ عمل اور حسنِ سلوک کی ایک وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ وہ اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر دشمنی کو ترک کردیں، یا یہ بھی ممکن ہے کہ اسلام قبول کرلیں۔ رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ دوسری وجہ اس آیت میں بیان کی گئی کہ ایسے لوگوں کو ان کی حرکتوں کا پورا پورا بدلہ اللہ ہی عطا کرسکتا ہے، اس لیے ان کے معاملے کو اللہ کے حوالے کردیا جائے۔

ایسے موقعوں پر عفو اور درگزر سے کام لینا اللہ کے نیک بندوں کی صفت ہے۔ منافقوں نے جب حضرت عائشہؓ پر بدکاری کا الزام لگایا تو کچھ سادہ لوح مسلمان بھی ان کے فریب میں آگئے اور الزام لگانے والوں میں شامل ہوگئے۔ جن میں حضرت مسطح بن اثاثہؓ بھی تھے، جو ایک غریب صحابی اور رشتے میں حضرت ابوبکرؓ کے بھائی تھے، اور جن کی کفالت بھی آپؓ ہی کیا کرتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عائشہؓ کی براءت اور پاک دامنی میں سورۂ نور کی آیتیں نازل ہویں، جن میں منافقوں کی سازشوں کا پردہ فاش کیا گیا۔ ان آیتوں کے نزول کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھالی کہ وہ مسطحؓ کی کفالت نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی یہ ادا پسند نہیں آئی۔ فرمایا:

وَلَايَأْتَلِ أُولُواالْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُّؤْتُوْا أُولِي الْقُرْبىٰ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا أَلَاتُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ ۔(النور:22)'' اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ فضل اور صاحبِ حیثیت ہیں، وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہ دینے کی قسم نہ کھائیں، بل کہ معاف کردیں اور درگزر کردیں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمھیں معاف کردے اور اللہ بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے''۔

حضرت ابوبکرؓ پکار اٹھے: پروردگار! ہم ضرور چاہتے ہیں کہ تو ہمیں معاف کردے۔ چناں چہ آپؓ نے دوبارہ مدد کا سلسلہ جاری رکھنے کا عہد کیا۔(بخاری: 4141)

۴۔ جذبات سے مغلوب ہوکر کوئی غلط حرکت نہ کی جائے۔ عام طور پر جذبات کے غلبے کی وجہ سے لوگ ایسی حرکتیں کر بیٹھتے ہیں جن کی وجہ سے فائدے کی بجائے نقصان ہی ہوتا ہے۔ یا پھر ایسی تدابیر اپناتے ہیں جو سطحی اور وقتی ہوتی ہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کا بڑا المیہ یہ رہا کہ یہاں عوام تو عوام، خواص پر بھی جذبات کا غلبہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے، جس کی وجہ سے دینی وملی مسائل میں مسلمانوں کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا ہے۔ سیرتِ رسول ﷺ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہر موقع پر ہوش کو جوش پر مقدم رکھا، اور مستقبل کے لیے ایسی پائیدار تدبیریں کیں اور منصوبے بنائے کہ باطل کی سازشیں اپنی موت آپ مر گئیں، اور مختصر مدت میں اسلام کا پیغام دنیا میں عام ہوگیا۔

۶ھ میں حدیبیہ کے مقام پر مکہ کے مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان صلح اور امن کا معاہدہ ہوا۔ اس وقت فریقین ایک عجیب جذباتی کیفیت میں مبتلا تھے۔ دونوں طرف جذبات میں ابال تھا۔ اس موقع پر جو معاہدہ ہوا، اس کی شقیں بظاہر مسلمانوں کے حق میں نہیں تھیں، جس کی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو اس معاہدے سے اطمینان نہیں ہو رہا تھا۔ صلح کے بعد جب رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے کہا کہ اپنے اپنے احرام کھول دو اور جانور ذبح کردو تو صحابہ کرامؓ اس کے لیے آمادہ نہیں ہوے۔ ام المومنین ام سلمہؓ نے مشورہ دیا کہ اللہ کے رسول! آپ خود پہلے اپنا احرام کھول دیجیے اور اپنا جانور ذبح کردیجیے، پھر دیکھیے کہ کس طرح آپ کے ساتھی آپ کی اتباع کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ یہ مسئلہ کسی طرح حل ہوگیا، مگر صحابہ کرام کے جذبات میں ٹھہراؤ نہیں آ رہا تھا۔ حضرت عمرؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! میں اللہ کا سچا رسول ہوں۔ پھر انھوں نے دریافت کیا: کیا ہم حق پر اور وہ باطل پر نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر دب کر صلح کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اس گفتگو سے بھی حضرت عمرؓ پوری طرح مطمئن نہیں ہوے۔ صحابہ کرامؓ سفر ہی میں تھے کہ سورۂ فتح نازل ہوی۔ پہلی ہی آیت میں مسلمانوں کو بشارت دی گئی: اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا۔ (الفتح: 1) ’’ہم نے آپ کو کھلی فتح عطا فرمائی‘‘۔

یہ صلح جسے صحابہ اپنے لیے شکست سمجھ رہے تھے، قرآن مجید نے اسے فتح مبین قرار دیا۔ اور بعد کے واقعات نے اس کی تصدیق کر دی۔

واقعہ یہ ہے کہ اس میں جو شرطیں طے ہوئی تھیں، بظاہر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تھیں، مگر حقیقت میں وہ مسلمانوں کے حق میں تھیں۔ اس میں ایک شرط یہ تھی کہ مکہ کے مشرکین اور مسلمانوں کے درمیان دس سال تک جنگ بندی رہے گی۔ یہ شرط حقیقت میں رسول اکرم ﷺ کی مستقبل کی منصوبہ بندی میں نہایت معاون تھی۔ آپ ﷺ نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا اور سارے عرب میں اللہ کے پیغام کو عام کرنے میں جٹ گئے۔ شاہانِ عرب اور دیگر بادشاہوں کو آپ ﷺ نے دعوتی خطوط روانہ کیے۔ جب عرب کے مختلف علاقوں میں داعیانِ حق پہنچے تو قبائلِ عرب آپ ﷺ کی خدمت میں پہنچنے لگے اور صرف دو سال میں قبائلِ عرب کے سیکڑوں وفود آپ کی خدمت حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ غرض دو سالوں میں اتنی کثیر تعداد میں لوگ مشرف بہ اسلام ہوے کہ پچھلے انیس سالوں میں اتنے لوگ مسلمان نہیں ہوے تھے۔ یہ دراصل حدیبیہ کے موقع پر جذباتیت سے اجتناب کرتے ہوے مستقبل کی پائیدار منصوبہ بندی کا نتیجہ تھا۔

موجودہ دور میں ایسی ہی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو سازشیں ہو رہی ہیں، ان میں سے ایک بڑی سازش یہ ہے کہ مسلمانوں کو مشتعل اور ان کے جذبات کو برانگیختہ کر کے انھیں تخریبی کارروائی پر مجبور کیا جائے۔ بدقسمتی سے مسلمان اس سازش کا شکار ہوتے رہتے ہیں اور خود کا نقصان کر لینے کے علاوہ سازش رچنے والوں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کی اس کم زوری کو دور کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔ اس کے لیے ان میں صحیح شعور اور دور اندیشی پیدا کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ مسلمانوں کی دینی رہ نمائی عموماً علمائے کرام کرتے ہیں۔ بہت سی وجوہات کی بنا پر خود ان میں جذباتیت کا غلبہ ہے۔ سب سے پہلے علمائے کرام کی تربیت ہونی چاہیے، اور ان کے ذریعے امت کو صبر اور برداشت کی طرف بار بار توجہ دلائی جاتی رہے تو ان شاء اللہ اس کا مثبت اثر بہت جلد دیکھنے میں آ سکتا ہے۔ اللہ کرے امت کی اس اہم ضرورت کو سمجھنے اور اس کی طرف توجہ دینے کی توفیق ہمیں نصیب ہو۔ ✦ ✦ ✦

حسد اور اس کے نقصانات

انسانی معاشرے کو جو چیزیں نقصان پہنچاتی ہیں، ان میں سے ایک بغض وحسد ہے۔ یہ ایک خطرناک بیماری اور سنگین جرم ہے۔ بعض اہلِ علم کہتے ہیں:

اَلْحَسَدُ أَوَّلُ ذَنْبٍ عُصِیَ اللّٰهُ بِهِ فِی السَّمَاءِ یَعْنِیُ حَسَدَ اِبْلِیُسُ لِآدَمَ ۔ وَأَوَّلُ شَیْءٍ عُصِیَ اللّٰهُ بِهِ فِی الْأَرْضِ یَعْنِیُ حَسَدَ ابْنُ آدَمَ لِأَخِیهِ حَتّٰی قَتَلَهُ ۔ (ادب الدنیا والدین: ۱۷٦) ''آسمان میں سب سے پہلا جو گناہ کیا گیا، وہ حسد ہے۔ یعنی حسد کی بناپر ابلیس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔ اور زمین میں بھی سب سے پہلا جو گناہ کیا گیا، وہ حسد ہی ہے۔ اسی بناپر آدمؑ کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا''۔

جہاں اچھائیاں ہوں گی، وہاں یہ برائی پائی جائے گی، اور جس فرد میں کوئی خوبی اور صلاحیت ہوگی ضرور اس کے حاسدین بھی ہوں گے۔ حضرت عمر بن خطابؓ فرماتے ہیں:

مَا کَانَتْ نِعْمَةُ اللّٰهِ عَلٰی أَحَدٍ اِلَّا وَجَّهَ لَهَا حَاسِدًا ۔ (ادب الدنیا والدین: ۱۷۷) ''اگر کسی کے پاس کوئی نعمت ہو تو اللہ اس کے پیچھے کسی حاسد کو لگا دیتا ہے''۔

کسی حکیم کا قول ہے:

اَلنَّاسُ حَاسِدٌ وَمَحْسُودٌ وَلِکُلِّ نِعْمَةٍ حَسُودٌ ۔ (ادب الدنیا والدین: ۱۷٦) ''لوگوں کی دو ہی قسمیں ہیں۔ یا تو حسد کرنے والے ہوں گے، یا وہ جن سے حسد کیا جائے۔ ہر خوبی کے حاسدین پائے جاتے ہیں''۔

یہ مذموم صفت یہودیوں میں زیادہ پائی جاتی ہے، جس کا اشارہ قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے۔ اہل ایمان کو نقصان پہنچانے میں جب یہود ناکام ہوے تو ان سے بغض وحسد کرنے لگے۔ انھیں سب سے زیادہ حسد اس بات پر تھا کہ مسلمان دولتِ اسلام سے سرفراز ہیں۔ فرمانِ نبوی ہے:

مَاحَسَدَتْکُمُ الْیَهُودُ عَلٰی شَیْءٍ مَا حَسَدَتْکُمْ عَلَی الْاِسْلَامِ وَالتَّأْمِیْنِ۔ (رواہ ابن ماجہ عن عائشہؓ) ''یہودیوں کو تم پر جتنا حسد اسلام لانے اور آمین کہنے پر ہوتا ہے، اتنا کسی اور بات پر نہیں ہوتا''۔

ان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ مسلمان بھی کفر و شرک میں مبتلا ہو جائیں۔ جیسا کہ فرمایا گیا:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ ۔(البقرۃ:۱۰۹)''بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں کہ کاش وہ تم کو ایمان لے آنے کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں۔ وہ لوگ ایسا محض حسد کی وجہ سے کر رہے ہیں''۔

اللہ کے رسول ﷺ نے یہ پیشین گوئی فرمائی کہ یہ مذموم صفت اس امت میں بھی پیدا ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے، رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِذَا فُتِحَتْ عَلَيْكُمْ فَارِسُ وَالرُّومُ أَيُّ قَوْمٍ أَنْتُمْ؟ قَالَ عَبْدُالرَّحْمٰنُ بْنُ عَوْفٍ: نَقُولُ كَمَا أَمَرَنَا اللّٰهُ ،قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ :أَوَغَيْرَ ذٰلِكَ۔تَتَنَافَسُونَ ثُمَّ تَتَحَاسَدُونَ ثُمَّ تَتَدَابَرُونَ ثُمَّ تَتَبَاغَضُونَ أَوْ نَحْوَذٰلِكَ ثُمَّ تَنْطَلِقُونَ فِي مَسَاكِنِ الْمُهَاجِرِينَ فَتَجْعَلُونَ بَعْضَهُمْ عَلَى رِقَابِ بَعْضٍ ۔(مسلم:۲۹۶۲)''جب روم اور فارس فتح ہو جائیں تو تمھارا کیا حال ہوگا؟ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے فرمایا: ہم احکامِ الٰہی پر عمل کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، بل کہ تم (حصولِ دنیا کے لیے) ایک دوسرے سے مقابلہ کرو گے، حسد کرو گے، ایک دوسرے سے پیٹھ پھیر لو گے، بغض رکھو گے، اور اسی طرح کے ناپسندیدہ امور انجام دو گے، پھر غریب مہاجرین کے پاس جاؤ گے اور انھیں قتل کرنے لگو گے''۔

حسد ایک ایسی وبا ہے جس سے بچنا بہت ہی دشوار ہے۔ اس سے اللہ کے محبوب اور متقی بندے ہی بچ سکتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے۔ رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: كُلُّ مَخْمُومِ الْقَلْبِ صَدُوقِ اللِّسَانِ ۔ وہ جو گم نام اور سچی زبان والا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا: صدوق اللسان تو ہم جانتے ہیں۔ مخموم القلب کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ لَا إِثْمَ فِيهِ وَلَا بَغْيَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ ۔(ابن ماجہ:۴۲۱۶)''ہر وہ شخص جو متقی اور صاف دل ہو۔ گناہ، ظلم و زیادتی، کینہ کپٹ اور حسد جیسے منفی جذبات سے اس کا نفس پاک ہو''۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ ان کے دل بغض و حسد جیسی برائیوں سے پاک رہتے ہیں۔ فرمایا گیا:

وَلَایَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِھِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوْتُوْا ۔(الحشر:۹)''اور مہاجرین کو جو کچھ دیا جائے، اس سے وہ اپنے دلوں میں تنگی اور حسد محسوس نہیں کرتے''۔

حضرت ابن سیرینؒ کا قول ہے:

مَاحَسَدْتُّ أَحَدًا عَلٰی شَیْءٍ مِّنْ أَمْرِ الدُّنْیَا لِأَنَّهُ اِنْ کَانَ مِنْ أَھْلِ الْجَنَّةِ فَکَیْفَ أَحْسُدُهُ عَلَی الدُّنْیَا وَھِیَ حَقِیْرَةٌ وَاِنْ کَانَ مِنْ أَھْلِ الدُّنْیَا فَکَیْفَ أَحْسُدُهُ عَلٰی أَمْرِالدُّنْیَا وَھُوَ اِلَی الدُّنْیَا یَصِیْرُاِلَی النَّارِ ۔(الاحیاء:۲۰۱/۳)''میں نے کسی شخص سے دنیوی امور میں سے کسی بھی چیز پر حسد نہیں کیا، کیوں کہ اگر وہ جنتی ہے تو میں دنیا کی حقیر چیز کے معاملے میں اس پر کیسے حسد کر سکتا ہوں۔ اور اگر وہ دنیا دار ہے تو دنیا کے معاملے میں کیسے حسد کر سکتا ہوں جب کہ وہ اسے جہنم کی طرف لے جانے والی ہے''۔

حسد کی قسمیں: حسد کی تین قسمیں ہیں:

۱۔کسی سے اس کی نعمت، مقام اور مرتبہ چھن جانے کی تمنا کرنا۔ یہودیوں کے متعلق فرمایا گیا:

أَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَا آتَاھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ ۔(النساء:۵۴)''یا اللہ نے اپنے فضل سے لوگوں کو جو دیا ہے، اس پر حسد کرتے ہیں''۔

۲۔دوسری قسم یہ ہے کہ دوسرے سے نعمت چھن جانے کے ساتھ یہ بھی تمنا کرنا کہ وہ نعمت مجھے حاصل ہو جائے۔ اہل ایمان کو اس مذموم صفت سے باز رہنے کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا گیا:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۔(النساء:۳۲)''اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض کے اوپر جو برتری دی ہے، اس کی تمنا نہ کرو''۔

۳۔تیسری اور انتہائی گھٹیا قسم یہ ہے کہ جس طرح خود گناہ اور فقر و فاقے وغیرہ میں مبتلا ہیں دوسروں کے بارے میں تمنا کرنا کہ وہ بھی ان میں مبتلا ہو جائیں۔ کفار و مشرکین کے متعلق فرمایا گیا:

وَدُّوْا لَوْ تَکْفُرُوْنَ کَمَا کَفَرُوْا فَتَکُوْنُوْنَ سَوَاءً ۔(النساء:۸۹)''وہ تو چاہتے ہیں کہ ان کی طرح تم لوگ بھی کافر ہو جاؤ تا کہ سب برابر ہو جاؤ''۔

حسد کرنے والے کی تمنا جب پوری نہ ہو تو وہ ہر ممکن طریقے سے اس شخص کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، جس سے وہ حسد کرتا ہے۔ حسد ہی کی بنا پر یہودیوں نے رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے

کی ناکام کوششیں کیں۔انھوں نے کبھی زہر دیا،کبھی آپ ﷺ پر سحر کیا اور کبھی چکی کا پاٹ گرا کر ہلاک کرنے کی کوشش کی،مگر ہر مرتبہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ناکام بنایا۔

نقصانات : حسد کے بے شمار نقصانات ہیں۔یہ برائی ایمان کے منافی ہے۔وہ شخص مومن نہیں ہوسکتا جس کے دل میں بغض وحسد جیسے منفی جذبات پائے جاتے ہوں۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَا یَجْتَمِعَانِ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اَلْاِیْمَانُ وَالْحَسَدُ ۔(نسائی: ۳۱۰۹)''کسی بندے کے دل میں ایمان اور حسد جمع نہیں ہوسکتے''۔

ایمانی اخوت کو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے والی چیز حسد ہے۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَكُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا ۔(بخاری)

''آپس میں حسد نہ کرو،بغض نہ رکھو،ایک دوسرے سے پیٹھ نہ پھیرو۔اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن کر رہو''۔

حسد ایک ایسی برائی ہے جس سے انسانی معاشرہ خیر اور بھلائی سے محروم ہوتا ہے۔حضرت ضمرہ بن ثعلبہ سے روایت ہے،اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

لَایَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا لَمْ یَتَحَاسَدُوْا ۔(الترغیب والترھیب:۲۸۸۷)''لوگ اس وقت تک خیر اور بھلائی میں رہیں گے جب تک کہ وہ آپس میں حسد نہ کریں''۔

یہ ایسی بیماری ہے جس سے خود حاسد کو نقصان پہنچتا ہے۔حضرت ابواللیث سمرقندی فرتے ہیں:

یَصِلُ الْحَاسِدَ خَمْسُ عُقُوْبَاتٍ ،غَمٌّ لَایَنْقَطِعُ،مُصِیْبَةٌ لَایُؤْجَرُ عَلَیْهَا وَمَذَمَّةٌ لَا یُحْمَدُ عَلَیْهَا وَسَخَطُ الرَّبِّ وَیُغْلَقُ عَلَیْهِ بَابُ التَّوْفِیْقِ ۔(فی رحاب التفسیر:۸۱۴۵)

''حاسد پانچ مصیبتیں مول لیتا ہے۔کبھی ختم نہ ہونے والا غم،ایسی مشقت جو اجر سے خالی ہو،ایسی مذمت جو قابلِ ستایش نہ ہو،رب کی ناراضی اور توفیق اور ہدایت سے محرومی''۔

کسی حکیم کا قول ہے:

یَكْفِیْكَ مِنَ الْحَاسِدِ اَنَّهُ یَغْتَمُّ وَقْتَ سُرُوْرِكَ ۔(ادب الدنیا والدین:۱۷۹)''حاسد کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ آپ کی خوشی کو دیکھ کر مغموم ہوتا ہے''۔

سلف میں سے کسی کا قول ہے:

اَلْحَاسِدُ لَايَنَالُ مِنَ الْمَجَالِسِ اِلَّا مَذَمَّةً وَّذُلًّا وَلَا يَنَالُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ اِلَّا لَعْنَةً وَبَغْضَاءَ وَلَايَنَالُ مِنَ الْخَلْقِ اِلَّا جَزَعًا وَغَمًّا وَلَايَنَالُ عِنْدَالنَّزْعِ اِلَّا شِدَّةً وَهَوْلًا وَلَايَنَالُ عِنْدَ الْمَوْقِفِ اِلَّا فَضِيْحَةً وَنَكَالًا ۔(الاحیاء:۲۰۱/۳)''حاسد کے ہاتھ کچھ نہیں آتا۔مجلس میں ہوتو اس کی رسوائی ہوتی ہے۔وہ فرشتوں کے نزدیک لعنت وملامت کا مستحق ہوتا ہے۔انسانوں سے غم اور پریشانی ہی اس کے حصے میں آتی ہے۔موت کے وقت سختی اور مشقت،اور حشر کے میدان میں رسوائی اور عذاب اس کا مقدر ہوتا ہے''۔

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِيْ خِصَالِ الشَّرِّ أَعْدَلُ مِنَ الْحَسَدِ يَقْتُلُ الْحَاسِدَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ اِلَى الْمَحْسُوْدِ ۔(ادب الدنیاوالدین:۱۷۶):''حسد سے بڑی کوئی بری خصلت نہیں۔محسود تک پہنچنے سے پہلے ہی حسد حاسد کو ہلاک کردیتا ہے''۔

حسد انسانی معاشرے کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔اس کی وجہ سے معاشرے کا سکون تباہ ہوجاتا ہے اور اخوت و بھائی چارہ کا ماحول ختم ہوجاتا ہے،مفاد پرستی اور منفی جذبات پروان چڑھتے ہیں اور سب سے بری بات یہ ہے کہ یہ چیز معاشرے کے افراد کو ایک دوسرے کے خلاف دست وگریبان ہونے پر آمادہ کرتی ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''مجھے تمھارے بارے میں اس بات کا اندیشہ نہیں کہ تم فقروفاقے میں مبتلا ہوجاؤ گے،بل کہ مجھے ڈر ہے کہ دنیا تم پر کشادہ کردی جائے،جیسے اگلوں پر کردی گئی تھی،تو تم اسے حاصل کرنے میں ویسا ہی مقابلہ کرنے لگو گے جیسا پہلے والوں نے کیا،اور یہ دنیا تمھیں بھی اُسی طرح ہلاک کردے جس طرح ان کو ہلاک کیا تھا''۔(ترمذی:۲۴۶۲)

علاج:اگرچہ حسد سے چھٹکارا پانا بہت مشکل ہے،لیکن ناممکن نہیں ہے۔کسی شخص نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا: کیا کوئی حسد سے محفوظ رہ سکتا ہے؟ آپؒ نے فرمایا:''کیا تمھیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کا واقعہ یاد نہیں؟انھوں نے اپنے بھائی یوسف سے حسد کیا،حالاں کہ وہ نبی کے بیٹے تھے۔پھر دریافت کیا گیا کہ اس کا علاج کیا ہے؟ آپؒ نے فرمایا:

اِذَا حَسَدْتَّ فَعَمِّهِ (ای عمه فی باطنك)وَلَاتَتَكَلَّمْ بِآثَارِ الْحَسَدِ ۔(الاحیاء:

۲۰۱/۳)''جب حسد کے جذبات ابھرنے لگیں تو اسے دل میں چھپا دو، ظاہر نہ کرو۔ جب تک وہ دل میں رہیں، تم اس کو ہاتھ اور زبان پر نہ لاؤ، وہ تمھیں نقصان نہیں پہنچائے گا''۔

۱۔تقدیر پر ایمان: حسد کی ایک وجہ تقدیر پر ایمان کا کم زور ہونا ہے۔ اگر تقدیر پر مسلمان کا ایمان مضبوط ہو تو اس کے دل سے حسد کے جذبات ختم ہو جاتے ہیں۔ جب اس کا اس بات پر عقیدہ مضبوط ہو جائے کہ اللہ جو دینا چاہے، اسے کوئی چھین نہیں سکتا، اور جو نہ دینا چاہے تو کوئی نہیں دے سکتا، تو وہ کسی سے حسد ہی نہیں کرے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ کو نصیحت کرتے ہوے فرمایا:

''یہ بات اچھی طرح جان لو کہ اگر ساری دنیا والے مل کر تمھیں فائدہ پہنچانا چاہیں تو بس اتنا ہی فائدہ پہنچا سکیں گے جتنا اللہ چاہے۔ اسی طرح پورے لوگ مل کر تمھیں کچھ نقصان پہنچانا چاہیں تو بس اتنا ہی پہنچا سکیں گے جتنا اللہ چاہے''۔(ترمذی:۲۵۱۶)

۲۔موت کی یاد: موت سے غفلت بھی انسان کے اندر حسد پیدا کرتی ہے۔ موت کی یاد انسان کو جن چیزوں سے محفوظ رکھتی ہے، ان میں سے ایک حسد بھی ہے۔ حضرت ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں:

مَا أَكْثَرَ عَبْدٌ ذِكْرَ الْمَوْتِ اِلَّا قَلَّ فَرَحُهُ وَقَلَّ حَسَدُهُ ۔(الاحیاء:۲۰۱/۳)''جو موت کو کثرت سے یاد کرتا ہے، اس کی ہنسی کم ہوتی ہے اور حسد کا برا جذبہ بھی کم ہوتا ہے''۔

۳۔رشک: اسلام نے اس بات کی تعلیم دی ہے کہ ہم حسد کی بجائے یہ تمنا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کی نعمت ہمیں بھی عطا کرے۔ اسی کو ''رشک'' کہتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

لَاحَسَدَ اِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ . رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔(بخاری:۱۹۶)''دو چیزوں میں رشک کرنا جائز ہے۔ ایک اس شخص پر جس کو اللہ نے قرآن مجید کا علم عطا کیا ہو، وہ اپنے علم سے لوگوں کو دن رات فائدہ پہنچاتا رہتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال عطا کیا ہو، وہ اپنا مال دن رات اللہ کی راہ میں خرچ کرتا رہتا ہے''۔

حسد کا جذبہ محسود کو نقصان پہنچانے پر آمادہ کرتا ہے، جب کہ رشک کا جذبہ انسان کے اندر ہم دردی اور خیر خواہی کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ معراج کے موقع پر جب رسول اکرم ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰؑ سے ہوی تو انھیں اس بات پر رشک ہوا کہ اس نوجوان کے متبعین کی تعداد جنت میں

میرے متبعین سے زیادہ ہوگی، مگر حضرت موسیٰؑ کی ہم دردی دیکھیے کہ جب پچاس نمازوں کا تحفہ لے کر رسول اکرم ﷺ واپس آرہے تھے تو انھوں نے بار بار اللہ کے نبی ﷺ سے کہا کہ اپنے رب کے پاس جاؤ اور اس میں تخفیف کرالو، کیوں کہ تمھاری امت اس کی طاقت نہیں رکھتی۔ بالآخر پچاس کی بجائے نمازوں کی تعداد پانچ کردی گئی۔

رشک مومن کے اندر محسود سے جلنے اور دشمنی کرنے کی بجاے اس کی خوبیاں اپنانے پر آمادہ کرتا ہے۔ حضرت خدیجہؓ کی خوبیوں کو دیکھ کر یہی جذبہ حضرت عائشہؓ کے اندر پیدا ہوا تھا، وہ فرماتی ہیں:

مَاحَسَدُتُّ أَحَدًا مَاحَسَدُتُّ خَدِیُجَةَ وَمَا تَزَوَّجَنِیُ رَسُوُلُ اللّٰهِ اِلَّا بَعُدَ مَا مَاتَتُ وَذٰلِكَ أَنَّ رَسُوُلَ اللّٰهِ بَشَّرَهَا بِبَیُتٍ فِی الُجَنَّةِ مِنُ قَصَبٍ لَاصَخَبَ فِیُهِ وَلَانَصَبَ۔(ترمذی:3876)'' مجھے جتنا رشک حضرت خدیجہ پر ہوتا، اتنا کسی اور پر نہیں ہوتا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے نکاح ان کے انتقال کے بعد کیا، اور اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لیے جنت میں موتیوں کے ایک محل کی بشارت دی جس میں نہ کوئی شور وغل ہوگا اور نہ مشقت وتھکان ہوگی''۔

۴۔ اللہ سے طلب کریں: جو پروردگار دوسروں کو عطا کرتا ہے، وہ ہم کو بھی عطا کرسکتا ہے۔ اس کے خزانے میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ اس لیے کسی سے حسد کرنے کی بجائے اللہ سے طلب کرنا چاہیے۔ سورۂ نساء میں حسد سے روکنے کے بعد فرمایا گیا:

وَاسُئَلُوااللّٰهَ مِنُ فَضُلِهٖ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیُءٍ عَلِیُمًا ۔(النساء:۳۲)'' اور اللہ ہی سے اس کا فضل مانگا کرو۔ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے''۔

۵۔ محنت اور کوشش: حسد کرنے کی بجاے محنت اور کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اصول ہے کہ جو عمل کرے گا، وہ اس کو ضرور عطا کرے گا۔ فرمایا گیا:

لِلرِّجَالِ نَصِیُبٌ مِمَّا اكُتَسَبُوُا وَلِلنِّسَاءِ نَصِیُبٌ مِمَّا اكُتَسَبُنَ (النساء:۳۲)

'' جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اُس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق اُن کا حصہ ہے''۔

۶۔ سلام کو عام کرنا: بغض اور حسد سے مسلمانوں میں دوریاں پیدا ہوتی ہیں، جب کہ سلام کو عام

کرنے سے دوریاں ختم ہوتی ہیں، الفت ومحبت پیدا ہوتی ہے، باہمی تعلقات مضبوط ہوتے ہیں اور بغض وحسد اور کینہ کپٹ جیسی برائیوں سے انسانی معاشرہ پاک ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے سلام عام کرنے کی تعلیم دی۔ سلام مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو بڑھانے اور مضبوط کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

> دَبَّ اِلَیکُم دَاءُ الْاُمَمِ اَلحَسَدُ وَالبَغْضَاءُ هِیَ الْحَالِقَةُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَفَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِمَا یُثْبِتُ ذَاکُمْ لَکُمْ اَفْشُوا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ ۔ (ترمذی:۲۵۰۱) ’’تمھارے اندر بھی وہ بیماری سرایت کر چکی ہے جو پچھلی امتوں میں پائی جاتی تھی۔ یعنی بغض وحسد، جو مونڈنے والی ہے۔ میں نہیں کہتا کہ بال مونڈنے والی ہے بل کہ وہ دین کو برباد کرنے والی ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم جنت میں نہیں داخل ہوسکتے جب تک کہ مومن نہ ہو جاؤ۔ اور اس وقت تک مومن کامل نہیں ہوسکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس سے دلوں میں محبت جاگزیں ہو، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: سلام کو عام کرو‘‘۔

۷۔ اسبابِ حسد سے بچیں: اپنی خوبیوں، صلاحیتوں اور اہم معاملات کو بلاوجہ ہر کسی سے بیان نہ کریں، کیوں کہ یہ چیز حسد کا باعث ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے جب خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند انھیں سجدہ کر رہے ہیں تو حضرت یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے کہ اس میں بڑی بشارت ہے۔ انھیں اندیشہ ہوا کہ اگر یوسف کے بھائی اس خواب سے واقف ہو گئے تو ان سے حسد کرنے لگیں گے۔ اس لیے انھوں نے بیٹے یوسفؑ سے فرمایا:

> یَابُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاکَ عَلٰٓی اِخْوَتِکَ فَیَکِیْدُوْا لَکَ کَیْدًا. اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۔ (یوسف:۵) ’’پیارے بیٹے! اپنے اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کریں۔ شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے‘‘۔

۸۔ حسد سے بچنے کے لیے دعاؤں کا اہتمام: حسد سے بچنے کے لیے دیگر ذرائع اپنانے کے ساتھ دعاؤں کا اہتمام بھی کرنا چاہیے۔ قرآن مجید نے مومنوں کی دعا نقل کی ہے :

رَبَّنَـا اغْـفِرْ لَنَا وَلِإخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَاتَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۔(الحشر:۱۰) ''اے ہمارے رب! ہمیں معاف کردے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ پیدا فرما۔اے ہمارے رب! تو بے شک بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے''۔

۹۔نظر بد بھی حسد کے اسباب میں سے ہے۔اس سے بچنے کے لیے یہ دعا سکھلائی گئی ہے:

اَعُـوْذُ بِـكَـلِـمَـاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ، مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ،وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ.

(ابن ماجہ:۳۶۵۴) ''اللہ کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں ،ہر شیطان کی برائی، ہر ہلاک کردینے والے زہریلے جانور اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے''۔

اسی طرح حاسد کے شر سے بھی پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی۔فرمایا گیا:

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۔(الفلق:۵) ''(اے رب!) حاسد کے شر سے بچا، جب وہ حسد کرے''۔

۱۰۔محسود کے حق میں دعا: اگر کسی کے تعلق سے حسد کا جذبہ پیدا ہو تو اس کے حق میں دعاے مغفرت کریں۔حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

اَللّٰهُـمَّ اِنَّمَا مُحَمَّدٌ بَشَرٌ ،يَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ وَاِنِّيْ قَدِ اتَّخَذْتُ عِنْدَكَ عَهْـدًا لَـنْ تُـخْـلِـفِيْنِهِ فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ آذَيْتُهُ أَوْ سَبَبْتُهُ أَوْ جَلَدْتُّهُ فَاجْعَلْهَا لَهُ كَفَّارَةً وَقُرْبَةً تُـقَرِّبُهُ بِهَا اِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔(مسلم:۲۶۰۱) ''اے اللہ! محمد ایک انسان ہے۔وہ بھی غصہ ہوتا ہے، جیسے انسان غصہ ہوتا ہے۔میں تجھ سے عہد کرتا ہوں، تو اس کی لاج رکھنا۔جس مومن کو بھی میں نے تکلیف دی ہو، برا بھلا کہا ہو، یا مارا ہو تو اس کو اس کے لیے کفارہ اور تیرے تقرب کا ذریعہ بنادے، جس کے ذریعے تو اسے قیامت کے دن اپنے سے قریب کرلے''۔

یہ چند ایسے اسباب ہیں، جن کو اپنا کر ہم حسد جیسی مذموم برائی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حسد اور دوسری برائیوں سے ہمیں محفوظ رکھے۔آمین

ایذا رسانی، اسلام کی نظر

اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ معاشرتی احکام پر مشتمل ہے۔ کسی بھی معاشرے کی تعمیر اور ترقی کے لیے معاشرے کا پرامن ہونا اور افرادِ معاشرے کے مابین خوش گوار تعلقات کا پایا جانا بے حد ضروری ہے۔ جس معاشرے میں بدامنی عام ہو اور افراد کے مابین تعلقات خوش گوار نہ ہوں تو ایسا معاشرہ زوال کا شکار ہو جاتا ہے۔ بدقسمتی سے اس وقت ہر جگہ مسلم معاشرے میں بدامنی اور باہمی تعلقات میں کشیدگی پائی جاتی ہے۔

معاشرتی تعلیمات میں اسلام نے ان دونوں پہلوؤں پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اسلامی معاشرتی تعلیمات کی اساس ہی اس پر ہے کہ معاشرے کے امن کو پامال نہ کیا جائے اور تعلقات میں بگاڑ پیدا کرنے والی ہر چھوٹی بڑی چیز کا سدباب کیا جائے۔ اسلام نے اپنے متبعین کو سب سے زیادہ اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ان کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

ایذا رسانی میں زبان اور ہاتھ کا اہم کردار ہوتا ہے۔ تمام قسم کی ایذا رسانیاں ان ہی دونوں کے اطراف گھومتی ہیں، اسی لیے اسلام نے حقیقی مسلمان کی پہچان ہی یہ بتائی ہے کہ وہ ان دونوں کی حد درجہ حفاظت کرتا ہے، اور ان کے ضرر سے دوسروں کو بچاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:
اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ (بخاری، باب المسلم من سلم المسلمون)
"حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں"۔

انسانوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلافات، فسادات، رنجش و لڑائی، اور خون خرابے کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے پیچھے ایذا رسانی کی کوئی نہ کوئی چنگاری مخفی ہوتی ہے۔ بعثتِ نبوی سے قبل اوس اور خزرج کے درمیان ایک خون ریز جنگ ہوی، جس کو جنگ بعاث کہا جاتا ہے۔ یہ جنگ ایک طویل عرصے تک جاری رہی۔ اس کی ابتدا ایک معمولی بداحتیاطی سے ہوی۔ وہ یہ کہ ایک قبیلے والے کا جانور دوسرے قبیلے والے کے باغ میں چلا گیا۔ اس معاملے کو لے کر دونوں کے درمیان جو بحث

چھڑی، وہ دوقبیلوں کے درمیان جنگ کی صورت میں بدل گئی، جس کے نتیجہ میں فریقین کے سیکڑوں افراد کی جانیں ضائع ہوگئیں۔

اگر ہر شخص یہ کوشش کرے کہ میری ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، میں دوسروں کے حق میں رحمت بنوں، زحمت اور تکلیف کا باعث نہ بنوں تو بہت سارے مسائل خود بخود حل ہوجائیں گے۔

اسی لیے اسلام نے کسی بھی مسلمان کو بلاوجہ تکلیف دینے، خوف زدہ کرنے، ہراساں اور پریشان کرنے، جسمانی یا ذہنی تکلیف پہنچانے اور اس کی کسی بھی چیز کو نقصان پہنچانے کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ. (مسلم، باب تحريم ظلم المسلم و خذله) ''ہر مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کی جان، مال اور عزت قابل احترام ہے''۔

مسلمان کی جان، مال، عزت اور آبرو کو مکہ مکرمہ کی طرح مقدس اور محترم قرار دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے یوم النحر کے دن خطبہ دیا۔ دورانِ خطبہ آپ ﷺ نے صحابہ سے دریافت کیا کہ بتاؤ، آج کون سا دن ہے؟ صحابہ نے کہا: آج (یوم النحر کا) مقدس دن ہے۔ پھر آپ ﷺ نے سوال کیا: یہ کون سا شہر ہے؟ صحابہؓ نے کہا: یہ (مقدس شہر) مکہ مکرمہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے دریافت کیا: یہ کون سا مہینہ ہے؟ صحابہ نے جواب دیا: یہ ذی الحجہ (کا مقدس مہینہ) ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ وَأَعْرَاضَكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هذا فِيْ بَلَدِكُمْ هذا فِي شَهْرِكُمْ هذا. ''تمھاری جانیں، تمھارے اموال اور تمھاری عزتیں اسی طرح قابل احترام ہیں جس طرح تمھارا یہ دن، تمھارا یہ شہر اور تمھارا یہ مہینہ قابل احترام ہے''۔ (بخاری: باب الخطبة أيام منى)

اسی موقع پر آپ ﷺ نے اپنی امت کو یہ بھی وصیت فرمائی: لَا تَرْجِعُوا بَعْدِيْ كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (بخاری: باب الخطبة أيام منى) ''تم میرے بعد کفر کی روش اختیار نہ کرلینا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگ جاؤ''۔

ایذا رسانی کے نقصانات: 1۔ بلاوجہ کسی مسلمان کو تکلیف دینا سنگین جرم ہے۔ اکثر لوگ اس کو معمولی گناہ سمجھتے ہیں حالانکہ اس کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا. (الأحزاب: 58) ''اور جو لوگ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بے قصور اذیت دیتے ہیں انھوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا وبال اپنے سر لے لیا ہے''۔

نیک اور دین دار لوگوں سے بھی اس معاملے میں بے احتیاطی ہوتی رہتی ہے۔ بسا اوقات نادانستہ اور غیر شعوری طور پر دوسروں کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ سورۂ نمل میں حضرت سلیمانؑ کا واقعہ مذکور ہے کہ وہ اپنے لشکر سمیت سفر پر روانہ ہوئے، راستہ سے چیونٹیوں کی ایک جماعت گزر رہی تھی۔ سردار چیونٹی نے اپنے ساتھیوں سے کہا: يٰۤاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ. (النمل: 8) ''اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمھیں کچل ڈالیں اور انھیں خبر بھی نہ ہو''۔

اس لیے دوسروں کے معاملے میں حد درجہ احتیاط برتنے کی تعلیم دی گئی تا کہ غیر شعوری طور پر بھی کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

2۔ بلاوجہ کسی مسلمان کو تکلیف دینا ایمان کی کم زوری کی دلیل ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: يَامَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يَدْخُلِ الْإِيْمَانُ فِي قَلْبِهِ لَاتُؤْذُوا الْمُسْلِمِيْنَ (ترمذی: باب تعظيم المومن) ''اے لوگو جو اپنی زبان سے اسلام کا دعوی کرتے ہو، اور دل میں ایمان راسخ نہ ہوا ہو، سن لو! مسلمانوں کو ایذا اور تکلیف نہ پہنچاؤ''۔

3۔ یہ ایسا جرم ہے جس سے نیکیاں اور عبادتیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ ایک موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا: أَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ ؟ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا: الْمُفْلِسُ فِيْنَا مَنْ لَادِرْهَمَ لَهٗ وَلَامَتَاعَ ۔ ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس

درہم ودینار(روپیہ پیسہ)اور مال ومتاع نہ ہو۔آپ ﷺ نے فرمایا:اِنَّ الْـمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِیْ مَنْ یَّأْتِیْ یَـوْمَ الْـقِیَـامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِیَامٍ وَّزَکوٰةٍ وَیَأْتِیْ قَدْشَتَمَ هذا وَقَذَفَ هذا وَاَکَلَ مَالَ هذا وَسَفَكَ دَمَ هذا وَضَرَبَ هذا فَیُعْطیٰ هذا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهذا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ أ نْ یُقْضیٰ مَا عَلَیْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَیْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ۔ ’’میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوۃ کی شکل میں ڈھیر ساری نیکیاں لے کر آئے گا مگر ساتھ ہی وہ کسی کو گالی دیا ہوگا، کسی پر الزام تراشا ہوگا، ناحق کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، جس کے نتیجے میں اس کی نیکیاں ان لوگوں میں تقسیم کردی جائیں گی جن پر اس نے زیادتی کی ہوگی، اور حقوق دلوائے جانے سے قبل اگر اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں تو ان مظلوموں کے گناہ اس کے سر تھوپ دیے جائیں گے، پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا‘‘۔(مسلم:باب تحریم الظلم)

تکلیف نہ دینے کی فضیلت : کسی کو تکلیف نہ دینا بھی نیکی ہے۔یہ ایسی نیکی ہے جس میں نہ محنت ومشقت کرنی پڑتی ہے، نہ روپیہ پیسہ خرچ ہوتا ہے۔نہ وقت اور صلاحیت صرف کرنی پڑتی ہے اور نہ طاقت وقوت کا استعمال ہوتا ہے۔یہ مفت میں حاصل ہونے والی نیکی ہے۔نیکی کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے، مگر یہ ایسی نیکی ہے جس کی بنیاد غلط عمل سے بچنا ہے۔بس نیت اور ارادے کے ساتھ اگر آدمی احتیاط برتے کہ اس کی ذات سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے تو وہ اس نیکی کو پاسکتا ہے۔

ایذا رسانی سے بچنا ثواب کا کام ہے۔یہ کوئی معمولی نیکی نہیں بلکہ بڑی نیکی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی بڑی نیکیوں کے ساتھ اس کا ذکر فرمایا ہے۔حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:اَلْاِیْـمَـانُ بِـاللّٰـهِ وَالْجِهَـادُ فِـیْ سَبِیْلِـهٖ.’’اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا‘‘۔میں نے پوچھا:أَیُّ الرِّقَابِ أَفْضَلُ. ’’کس غلام کو آزاد کرنے پر زیادہ اجر وثواب ہے‘‘؟ آپ ﷺ نے فرمایا:أَنْفَسُهَا عِنْدَ أَهْلِهَا وِأَکْثَرُهَا ثَمَناً.’’جو اس کے آقا کے نزدیک عمدہ ہو اور زیادہ قیمتی بھی ہو‘‘۔میں نے کہا: اگر میں یہ کام انجام نہ دے سکوں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا:تُعِیْنُ صَانِعاً اَوْ

تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ. ''کسی کاریگر کی مدد کرو یا کسی بے روزگار کو کام پر لگادو'' ۔اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تَكُفُّ شَرَّكَ عَنِ النَّاسِ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ مِنْكَ عَلىٰ نَفْسِكَ. ''لوگوں کو اپنے شر سے بچاؤ، یہ تمھاری طرف سے تمھاری ذات کے لیے صدقہ ہوگا''۔(مسلم: باب بیان کون الإیمان باللہ تعالیٰ أفضل الأعمال)

کسی کو تکلیف نہ دینا اسلام کی افضل تعلیم ہے۔حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے: اللہ کے رسول ﷺ سے کسی نے دریافت کیا: يَارَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ! أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ ؟ : اے اللہ کے رسول ﷺ! اسلام کی افضل تعلیم کیا ہے؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: أَنْ يَسْلَمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِكَ وَيَدَكَ ۔''تمھاری زبان اور ہاتھ (کے شر) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں''۔(صحیح الترغیب والترھیب:**2604**)

ایذا رسانی سے اجتناب کرنے والے کو حقیقی مومن کہا گیا ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اَلْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ ۔(ابن ماجہ: باب حرمة دم المومن وماله)''مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان اور مال کے سلسلے میں امن میں رہیں''۔

انسان کی زبان جب بے لگام ہو جاتی ہے تو تلوار سے زیادہ تیز چلنے لگتی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ تلوار کا زخم جلد مندمل ہو سکتا ہے مگر زبان کا زخم بڑا گہرا ہوتا ہے۔دیگر اعضاء کے مقابلے میں زبان کی ایذا رسانیاں کچھ زیادہ ہی ہیں، اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے زبان کی حفاظت کا خاص حکم دیا۔زبان کی حفاظت کر کے جہاں انسان بہت سارے گناہوں سے بچ سکتا ہے وہیں دوسروں کو ایذا پہنچانے سے بھی اپنے آپ کو بچا سکتا ہے، بلکہ اپنی زبان کے حملوں سے دوسروں کو بچا کر بڑی بڑی نیکیوں کا اجر و ثواب پا سکتا ہے۔حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سفر میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھا، میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جو میرے جنت میں داخل ہونے اور جہنم سے دور رہنے کا ذریعہ بنے۔آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے بہت بڑی چیز کا مطالبہ کیا، البتہ یہ کام اس کے لیے آسان ہے جس کے لیے اللہ آسان کردے۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ

کی عبادت کرو، اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، اپنے مال کی زکوۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو، پھر فرمایا: کیا میں تمھیں خیر کے دروازے کی نشان دہی نہ کروں؟ فرمایا: روزہ جہنم سے بچانے کے لیے ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو ویسا ہی مٹاتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھاتی ہے، رات کے درمیانی حصہ میں آدمی کا نماز پڑھنا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی: تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ۔ الی ۔ یَعْمَلُوْنَ ۔ (السجدہ: 16,17) وغیرہ (یہ سب خیر کے مختلف راستے ہیں) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمھیں تمام کی اصل، اس کی بالائی چوٹی اور اس کی ریڈھ کی ہڈی نہ بتادوں؟ میں نے کہا: ضرور بتایئے! آپ ﷺ نے اپنی زبان پکڑی اور فرمایا: اس کو اپنے قابو میں رکھو۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا زبان سے نکلنے والے الفاظ پر بھی ہمارا مواخذہ کیا جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذؓ! تمھاری ماں تمھیں گم کردے!'' کیا لوگوں کو ان کے چہروں کے بل جہنم میں گھسیٹ کر لے جانے والی زبان کی ان باتوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہوسکتی ہے''؟ (ترمذی: باب ماجاء فی حرمة الصلاة)

فتنوں کے دور میں مومن کی فلاح اور کامرانی کا معیار یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو قابو میں رکھے، اپنے ہاتھ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:: وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍ قَدْ اقْتَرَبَ ،أَفْلَحَ مَنْ كَفَّ يَدَهُ . (الجامع الصغیر وزیادتہ: ۱۳۵۷) ''عربوں کے لیے بربادی ہو کہ فتنوں کے ظہور کا وقت قریب آگیا، اس دور پرفتن میں وہی شخص کامیاب ہوگا جو اپنا ہاتھ روکے رکھے''۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! نجات کیسے حاصل ہوگی؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: أَمْسِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلْيَسَعْكَ بَيْتُكَ وَابْكِ عَلٰى خَطِيْئَتِكَ . (ترمذی: باب حفظ اللسان) ''اپنی زبان کو قابو میں رکھو، تمھارا گھر تمھاری کفایت کرے اور اپنے گناہوں پر رویا کرو''۔

غصے کی حالت میں عام طور پر زبان بے لگام ہوجاتی ہے۔ بسا اوقات آدمی غصے کی حالت میں وہ کچھ کہہ دیتا ہے، جس کا تصور بھی وہ دیگر اوقات میں نہیں کرسکتا۔ اسی لیے غصے پر قابو رکھنے کی تاکید

قرآن وحدیث میں کئی موقعوں پر کی گئی ہے۔جوشخص غصے کے موقع پر اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور دوسروں کو ایذا پہنچانے سے محفوظ رہے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:مَنْ کَفَّ غَضَبَہُ کَفَّ اللّٰہُ عَنْہُ عَذَابَہُ ۔(السلسلة الصحیحة:۴۷۵/۵)''جوشخص اپنے غصے کو روک لے تو اللہ تعالیٰ اس سے اپنے عذاب کو روک لے گا''۔

تکلیف دور کرنے کی فضیلت : مصیبت زدہ شخص کے کام آنا ، پریشان کا حال کا بوجھ ہلکا کرنا اور تکلیف میں مبتلا شخص کی تکلیف دور کرنا اس کی احادیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مصیبت زدہ لوگوں کی مدد کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کے مترادف قرار دیا ہے۔حدیث قدسی میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے پوچھے گا:اے ابن آدم!میں بیمار تھا،تو نے میری عیادت نہیں۔بندہ کہے گا:اے میرے رب!میں تیری کیسے عیادت کرتا،تو تو رب العالمین ہے۔اللہ تعالیٰ کہے گا:کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا،تو نے اس کی عیادت نہیں کی۔کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا،تو تو مجھے اس کے پاس پاتا۔پھر اللہ تعالیٰ بندے سے کہے گا کہ میں بھوکا تھا، میں پیاسا تھا،تو نے مجھے کھلایا نہیں ، پلایا نہیں۔ بندہ کہے گا کہ میں تجھے کیسے کھلا پلا سکتا ہوں،تو تو رب العالمین ہے،اللہ تعالیٰ کہے گا کہ کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا، پیاسا تھا۔کیا تجھے معلوم نہیں کہ اگر تو اسے کھلاتا، پلاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا''۔ (مسلم:باب فضل عیادة المریض)

مسجد نبوی میں عبادت کی بڑی فضیلت آئی ہے۔وہاں ایک نماز کا ثواب دیگر مسجدوں میں ایک ہزار نمازوں سے بڑھ کر ہے،سوائے مسجد حرام کے۔(مسلم:باب فضل الصلاة بمسجدی مکة والمدینة)مگر کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرنا اور مصیبت میں اس کے کام آنا مسجد نبوی کی ایک مہینے کی عبادت سے افضل ہے۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:اللہ کے نزدیک سب سے افضل عمل کسی مسلمان کو خوش کرنا،اس کی تکلیف دور کرنا،اس کے قرض کا بوجھ ہلکا کرنا یا اس کی بھوک مٹانا ہے۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا: لَاَنْ أَمْشِیَ مَعَ أَخِی الْمُسْلِمِ فِی حَاجَةٍ

أَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ فِي الْمَسْجِدِ شَهْراً ۔(صحیح الجامع الصغیر وزیادته: 176)
''اپنے مسلمان بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے اس کے ہم راہ دوڑ دھوپ کرنا یہ میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے اس بات سے کہ میں اس مسجد میں ایک مہینہ اعتکاف کروں''۔ایک دوسری حدیث میں مسجد مدینہ (مسجد نبوی) کا تذکرہ ہے۔(السلسلة الصحیحة:906)

میدان حشر میں نفسانفسی کا عالم ہوگا، ایسے میں ہر انسان کو اللہ کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ جو شخص اس دنیا میں کسی مسلمان کے کام آئے گا اور اس کی مصیبت کو دور کرے گا، قیامت کے دن اللہ تعالی اس کی مدد فرمائے گا اور قیامت کی ہولناکی سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔ایک طویل حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. ''جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کر دے گا اور جو کسی مسلمان سے کوئی تکلیف دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کی ایک تکلیف دور کر دے گا''۔(بخاری: باب لا یظلم المسلم المسلم...)

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا کہ مجھے ایسا کوئی عمل بتایئے جو میرے حق میں مفید ہو۔آپ ﷺ نے انھیں حکم دیا: اعْزِلِ الْأَذىٰ عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ۔ ''مسلمانوں کے راستوں سے تکلیف دہ چیز کو ہٹاؤ''۔

ایک دوسری حدیث میں اس عمل کو دخول جنت کا ذریعہ قرار دیا۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِيْ شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيْقِ كَانَتْ تُؤْذِي الْمُسْلِمِيْنَ. ''میں نے ایک شخص کو جنت میں ٹہلتے ہوئے دیکھا جس نے راستے سے ایسے درخت کو کاٹ کر ہٹایا تھا جو مسلمانوں کے لیے تکلیف کا باعث بنا ہوا تھا''۔(مسلم: باب فضل إزالة الأذى عن الطريق)

افسوس اور حسرت کا دن

اس دنیا میں انسان کو جو زندگی عطا ہوی ہے، وہ درحقیقت آخرت کی تیاری کا وقفہ ہے۔ جو شخص اس وقفے کو غنیمت جان کر اس کے ایک ایک لمحے کو نیک کاموں میں صرف کرے گا، وہ آخرت میں کامیاب ہوگا، اور جو زندگی کے قیمتی لمحات کو ضائع کرے گا اور گناہوں میں، بداعمالیوں میں اور بے کار کاموں میں گزار دے گا، اس کی زندگی قیامت کے دن اس کے لیے ندامت کا باعث ہوگی۔

قیامت کے ناموں میں سے ایک نام 'یوم الحسرۃ' ہے، یعنی افسوس کا دن۔ فرمایا:

وَأَنْـذِرْهُـمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (مریم: ۳۹) ''آپ انھیں حسرت کے دن سے ڈرایئے، جب فیصلہ صادر ہو جائے گا اور یہ لوگ ابھی غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے ہیں''۔

مراحل: آخرت کے مختلف مراحل ہیں۔ زندگی کے قیمتی لمحات کو ضائع کرنے پر انسان کو آخرت کے ہر مرحلے میں افسوس ہوگا۔ وہ التجا کرے گا کہ اسے اپنی آخرت سنوارنے کا ایک اور موقع مل جائے، مگر اس کی یہ تمنا پوری نہیں ہوگی۔

پہلا مرحلہ: ندامت کا یہ مرحلہ اس کی موت سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ جب انسان موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لے گا تو آرزو کرے گا کہ اسے ایک مرتبہ دنیا میں بھیجا جائے، تاکہ وہ نیک بن جائے۔ سورۂ مومنون میں فرمایا گیا:

حَتّٰى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّيْ أَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَـرَكْـتُ ۔(المومنون: ۹۹/۱۰۰) ''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت قریب ہوتی ہے تو کہنے لگتا ہے: پروردگار! مجھے دنیا میں دوبارہ لوٹا دے، تاکہ جس دنیا کو میں چھوڑ آیا ہوں، وہاں جا کر عمل صالح کروں''۔

انسان کو مال سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں بخیلی کرتا ہے، مگر جب وہ موت کے فرشتوں کو دیکھ لے گا تو سب سے پہلے انفاق کی تمنا کرے گا، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

وَأَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا

أَخَّرْتَنِیْ اِلٰی أَجَلٍ قَرِیْبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَکُنْ مِّنَ الصَّالِحِیْنَ ۔(المنافقون:۱۰)''اور ہم نے تمھیں جو روزی دی ہے، اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو وہ کہنے لگے کہ میرے رب! تو نے مجھے تھوڑی مہلت اور کیوں نہ دی کہ میں صدقہ کر لیتا اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاتا''۔

دوسرا مرحلہ: قبر کا ہے۔قبر میں ہر انسان سے سوالات ہوں گے۔مومن ان کے صحیح جواب دے گا، جس کی وجہ سے اس کی قبر کشادہ کر دی جائے گی اور اس کی قبر میں جنت کی ایک کھڑکی کھول دی جائے گی۔فرشتے جب کافر اور مشرک سے سوالات کریں گے تو وہ ہر سوال کے جواب میں کہے گا: ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔اللہ تعالیٰ فرشتوں سے کہے گا:أَنْ کَذَبَ عَبْدِیْ فَافْرُشُوْہُ مِنَ النَّارِ وَافْتَحُوْا لَہٗ بَابًا مِّنَ النَّارِ۔''میرے بندے نے جھوٹ کہا، اس کے لیے آگ کا بستر بچھا دو اور اس کی قبر میں جہنم کی کھڑکی کھول دو''۔جس کی وجہ سے وہ سخت گرمی محسوس کرنے لگے گا اور اس کی قبر اس کے لیے اس قدر تنگ کر دی جائے گی کہ ایک طرف کی پسلیاں دوسرے میں مل جائیں گی۔پھر ایک بدصورت آدمی اس کے پاس آئے گا، جس کے جسم سے بدبو نکل رہی ہوگی، وہ کہے گا:ھٰذَا یَوْمُکَ الَّذِیْ کُنْتَ تُوْعَدُ.أَبْشِرْ بِالَّذِیْ یَسُوْئُکَ ۔''یہ وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا تھا۔میں تمھارے لیے ایک غم ناک خبر لایا ہوں''۔وہ کہے گا: تم کون ہو؟ تمھارے خوف ناک چہرے سے برائی ٹپک رہی ہے۔وہ کہے گا:أَنَا عَمَلُکَ الْخَبِیْثُ ۔میں تمھارا برا عمل ہوں۔اس وقت گناہ گار بندہ کہے گا:رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ ۔اے میرے رب! تو قیامت قائم مت کر۔(تاکہ وہ اپنے برے اعمال کے بدلے سے بچ جائے)۔(صحیح الجامع الصغیر:1676)

تیسرا مرحلہ :جس وقت انسان جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا: رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں: میدانِ حشر میں جب سارے انسانوں کو جمع کیا جائے گا، اس وقت جہنم کو لایا جائے گا۔جہنم کے لیے ستر ہزار لگام ہوں گے اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتے کھینچ کر جہنم کو میدان حشر میں لے آئیں گے۔اس وقت گناہ گار تمنا کرے گا کہ کاش! اس نے دنیا میں اپنے توشۂ آخرت کی طرف توجہ دی ہوتی۔

وَجِیْءَ یَوْمَئِذٍ بِجَھَنَّمَ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ وَأَنّٰی لَہُ الذِّکْرٰی یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ

قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۔(الفجر:22.23) ''اور اس دن جہنم سامنے لائی جائے گی، اس دن آدمی نصیحت قبول کرے گا مگر اس وقت اسے نصیحت سے کیا حاصل ہوگا۔ وہ کہے گا: کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا''۔

چوتھا مرحلہ :حشر کے میدان میں جب اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کی نگاہوں کے سامنے موت کو ذبح کیا جائے گا: حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

روز قیامت موت کو ایک خوب صورت مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا۔ جنت اور جہنم کے درمیان اسے کھڑا کیا جائے گا۔ جنتیوں سے کہا جائے گا: کیا تم اسے جانتے ہو؟ وہ کہیں گے: ہاں! ہم اچھی طرح جانتے ہیں، یہ موت ہے۔ پھر جہنمیوں سے پوچھا جائے گا تو وہ بھی کہیں گے: ہاں! ہم جانتے ہیں کہ یہ موت ہے۔ پھر اسے ذبح کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا: اے جنتیو! تم ہمیشہ جنت میں رہو گے، اب تمھیں کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر جہنمیوں سے کہا جائے گا: اے جہنمیو! تم ہمیشہ جہنم میں رہو گے، تمھیں اب کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ ﷺ نے سورۂ مریم کی یہ آیت (۳۹) تلاوت کی:

وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَايُؤْمِنُوْنَ.

''آپ انھیں حسرت کے دن سے ڈرائیے، جب فیصلہ صادر ہو جائے گا اور یہ لوگ ابھی غفلت میں پڑے ہیں اور ایمان نہیں لا رہے ہیں''۔(بخاری:4730)

مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ اس اعلان کے بعد جنتیوں کی خوشی میں اور جہنمیوں کے غم میں اضافہ ہوگا۔(مسلم:2849) ترمذی کی روایت میں ہے: ''اگر کوئی شخص اس دن فرطِ خوشی سے مر جاتا تو جنتی مر جاتے اور فرطِ غم میں اگر کوئی ہلاک ہوتا تو جہنمی ہلاک ہو جاتے''۔(ترمذی:3156)

پانچواں مرحلہ :جس وقت لوگوں کے نامۂ اعمال تقسیم کیے جائیں گے: نیک لوگوں کو ان کا نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا، جس سے وہ خوش ہو کر اپنے احباب اور رشتے داروں سے کہیں گے:

هَاؤُمُ اقْرَأُوْا كِتَابِيَهْ إِنِّيْ ظَنَنْتُ أَنِّيْ مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَاضِيَةٍ ۔

(الحاقۃ:19,21)''یہ لو، میرا نامہ اعمال پڑھو، مجھے یقین تھا کہ میں اپنا حساب ضرور پاؤں گا، وہ ایک خوش گوار زندگی میں ہوگا''۔

اس کے برعکس جس کا نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ حسرت سے کہے گا:

یٰلَیْتَنِیْ لَمْ أُوْتَ کِتَابِیَهْ. وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِیَهْ. یٰلَیْتَهَا کَانَتِ الْقَاضِیَةَ . مَا أَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ. هَلَکَ عَنِّیْ سُلْطَانِیَهْ ـ(الحاقۃ: ۲۵ تا ۲۹) ''کاش! مجھے میرا نامۂ اعمال نہ دیا گیا ہوتا، اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔ کاش! میری موت نے ہمیشہ کے لیے میرا قصہ تمام کر دیا ہوتا۔ میرا مال میرے کسی کام نہ آیا، پھر سلطنت بھی مجھ سے جاتی رہی''۔

چھٹا مرحلہ : جس وقت جہنمیوں کو جہنم میں داخل کیا جائے گا، اس وقت داروغۂ جہنم ان سے پوچھے گا: ''کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا''۔ تو وہ افسوس کے ساتھ کہیں گے:

بَلٰی قَدْ جَاءَ نَا نَذِیْرٌ فَکَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ اِنْ أَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلَالٍ کَبِیْرٍ وَقَالُوْا لَوْ کُنَّا نَسْمَعُ أَوْنَعْقِلُ مَا کُنَّا فِیْ أَصْحَابِ السَّعِیْرِ ـ(الملک: ۹ تا ۱۱) ''ہاں! ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا، تو ہم نے جھٹلا دیا تھا اور کہا تھا کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے۔ تم بڑی گم راہی میں پڑ گئے ہو۔ اور کہیں گے اگر ہم نے (رسولوں کی) بات سنی ہوتی، یا عقل سے کام لیا ہوتا تو ہم (آج) جہنمیوں میں نہ ہوتے''۔

ساتواں مرحلہ : جہنم میں داخلہ کے بعد: جس وقت گناہ گاروں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا، وہ عذاب سے تنگ آ کر تمنا کریں گے کہ ایک مرتبہ انھیں دنیا میں بھیج دیا جائے، مگر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔ سورۂ فاطر (آیت: ۳۷) میں فرمایا گیا:

وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَالَّذِیْ کُنَّا نَعْمَلُ.

''اور وہ لوگ اس میں چیخیں ماریں گے اور کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں یہاں سے نکال دے۔ ہم نیک عمل کریں گے، اس کے سوا جو ہم کرتے رہے تھے''۔

گناہ گار جن باتوں پر ندامت کا اظہار کریں گے، ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ اپنے گناہوں اور کوتاہیوں پر: شیطان انسان کے سامنے گناہوں کو اس قدر خوش نما بنا کر پیش کرتا ہے کہ وہ گناہ سمجھتے ہوئے بھی اس کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ سمجھانے کے باوجود وہ برائیوں سے باز نہیں آتا، مگر جب اللہ کے دربار میں پہنچ جاتا ہے تو وہ اپنی کوتاہیوں اور بداعمالیوں

پر کفِ افسوس ملنے لگتا ہے۔ارشاد ہے:

أَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يَاحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السَّاخِرِيْنَ ۔(الشوریٰ:) ’’وہ آدمی کہے گا! ہائے افسوس! اس کوتاہی پر جو مجھ سے اللہ کے حق میں ہوتی رہی ہے، اور میں تو (اللہ کے رسول اور دین اسلام کا) مذاق اڑاتا رہا‘‘۔

۲۔نیک اعمال نہ کرنے پر: دنیا میں انسان کو نیک عمل کے بے شمار مواقع میسر آتے ہیں مگر وہ اپنی غفلت اور بے پرواہی کی وجہ سے ان مواقع کو ضائع کرتا رہتا ہے۔قیامت کے دن جب وہ اپنے نامۂ اعمال میں نیکیوں کی کمی کو دیکھے گا تو تمنا کرے گا کہ کاش! میں اپنی زندگی میں نیک اعمال کیا ہوتا۔ سورۂ فجر میں ارشاد ہے :يَقُوْلُ يَالَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ۔(الفجر:23) ’’وہ کہے گا: اے کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا‘‘۔

۳۔اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت نہ کرنے پر: رسولوں نے اللہ اور رسول کی اطاعت پر توجہ دلائی، مگر نافرمانوں نے ان کی بات ماننے کی بجائے ان کا مذاق اڑایا۔قیامت کے دن جب انھیں جہنم میں ڈالا جائے گا تو کہیں گے:

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَا أَطَعْنَااللّٰهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُوْلَا.

(الأحزاب:66) ’’جس دن ان کے چہرے آگ میں پلٹے جائیں گے تو وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور رسول کی بات مانی ہوتی‘‘۔

۴۔اچھائیاں قبول نہ ہونے پر: عمل کی قبولیت کے لیے ایمان، اخلاص اور اتباعِ رسول بنیادی شرطیں ہیں۔جو لوگ اچھے کام تو کریں مگر اُن میں اِس میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو ان کے اعمال قیامت کے دن ان کے لیے ندامت کا باعث ہوں گے۔سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا:

كَذَالِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ۔ (البقرۃ:167) ’’اس طرح اللہ انھیں دکھائے گا کہ ان کے اعمال ان کے لیے باعث حسرت وندامت بن گئے‘‘۔

۵۔بروں کو دوست بنانے پر: اس دنیا میں انسان کی گم راہی کا ایک بنیادی سبب بری صحبت ہے، کیوں کہ یہ اللہ کی یاد سے اور آخرت سے غافل کر دیتی ہے۔جو لوگوں بُرے دوستوں کی وجہ سے دین

اور آخرت کو برباد کرتے ہیں، انھیں قیامت کے دن اس دوستی پر افسوس ہوگا:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ. وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ. حَتَّى إِذَا جَاءَ نَا قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ (الزخرف:۳۶ تا ۳۸) ''اور جو رحمٰن کے ذکر سے آنکھیں بند کر لیتا ہے، ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے، اور ایسے شیطان انھیں سیدھی راہ سے روک دیتے ہیں جب کہ وہ سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ وہ ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو (اپنے ساتھی سے) کہے گا: کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی، تو تو بہت بُرا ساتھی نکلا ہے''۔

۶۔ نیک لوگوں کی صحبت ترک کرنے پر: جس طرح بروں کی صحبت کو اپنانے پر افسوس ہوگا اسی طرح نیک لوگوں کی صحبت ترک کرنے پر بھی انھیں افسوس ہوگا۔ سورۂ فرقان میں ارشاد ہے:

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يَالَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا۔ (الفرقان: 27) ''اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا اور کہے گا: کاش! میں نے رسول کے ساتھ ہی اپنی روش اختیار کی ہوتی''۔

قیامت کے دن اہل ایمان کو بھی حسرت ہوگی۔ زندگی میں اللہ نے انھیں نیک اعمال کے جو مواقع دیے تھے، ان سے مکمل طور پر فائدہ نہ اٹھانے پر وہ افسوس کا اظہار کریں گے۔ خصوصاً صحت مند لوگ بیماروں اور مصیبت زدہ لوگوں کے اجر و ثواب کو دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی دنیا میں آزمائے گئے ہوتے تو آزمائشیں ان کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنتیں، جیسا کہ آپؐ نے فرمایا:

يَوَدُّ أَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِيْنَ يُعْطٰى أَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ أَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بَالْمَقَارِضِ۔ ''صحت مند لوگ قیامت کے دن دنیا میں بیماری یا مصیبت میں مبتلا لوگوں کے اجر و ثواب کو دیکھیں گے تو تمنا کریں گے کہ کاش! دنیا میں ہمارے جسم قینچیوں سے کاٹ دیے جاتے''۔ (ترمذی: باب ما من اُحد یموت اِلا ندم)

اللہ کا ذکر بڑی اہم عبادت ہے۔ نیک بندے جس مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کر سکے ہوں، قیامت کے

دن وہ اس مجلس پر افسوس کریں گے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ قَوْمٍ يَقُوْمُوْنَ مِنْ مَجْلِسٍ لَايَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ تَعَالىٰ فِيْهِ اِلَّا قَامُوْا عَنْ مِّثْلِ جِيْفَةِ حِمَارٍ وَكَانَ لَهُمْ حَسْرَةً۔(الصحیحۃ) ''لوگ جب کسی ایسی مجلس سے اٹھ جائیں ،جس میں وہ اللہ کا ذکر نہ کریں تو گویا کہ وہ کسی گدھے کی لاش کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوے ہیں،اور یہ مجلس ان کے لیے حسرت کا باعث ہوگی''۔

رسول اکرم ﷺ پر درود بھیجنے کی بھی بڑی فضیلت آئی ہے۔ جس مجلس میں اللہ کے رسول ﷺ پر درود نہ بھیجا جائے، وہ بھی اہلِ مجلس کے لیے افسوس کا باعث ہوگی۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا قَعَدَ قَوْمٌ مَقْعَدًا لَمْ يَذْكُرُوْا اللّٰهَ فِيْهِ عَزَّوَجَلَّ وَيُصَلُّوْا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاِنْ دَخَلُوا الْجَنَّةَ لِلثَّوَابِ۔(الصحیحۃ) ''لوگ کسی مجلس میں بیٹھیں اور اس میں اللہ کا ذکر نہ کریں اور نبی پر درود نہ بھیجیں تو یہ مجلس ان کے لیے قیامت کے دن ندامت کا باعث ہوگی، اگر چہ وہ ثواب پانے کے لیے جنت ہی میں کیوں نہ داخل ہوں''۔

دین کی سربلندی کے لیے دشمنوں سے لڑتے ہوے قتل ہونے والے کو شہید کہتے ہیں۔ شہید کا اللہ کے نزدیک بلند مقام ہے، مگر قیامت کے دن شہید بھی یہ تمنا کرے گا کہ اس کو بار بار دنیا میں جانے کا موقع ملے تا کہ اسے بار بار اللہ کی راہ میں شہادت کا موقع ملتا رہے۔

سورۂ بقرہ کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ جو اس کی تلاوت کا اہتمام کرتے ہیں، انھیں خیر و برکت حاصل ہوتی ہے اور وہ شیطان کے شر سے اور ہر طرح کی آفتوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس کے برعکس جو اس کا اہتمام نہیں کرتے، قیامت کے دن وہ افسوس کریں گے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

اِقْرَأُوْا سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فَاِنَّ اَخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكُهَا حَسْرَةٌ وَلَايَسْتَطِيْعُهَا الْبَطَلَةُ۔ (مسلم:804) ''سورۂ بقرہ کی تلاوت کرو، کیوں کہ یہ برکت کا ذریعہ ہے اور اس کا ترک کرنا افسوس کا باعث ہوگا۔ جادوگر اس کی تلاوت کرنے والے کو نقصان نہیں پہنچا سکتے''۔

دنیا کی چند روزہ زندگی بندۂ مومن کے لیے نعمت ہے۔ اس کے ایک ایک لمحے کو آخرت کی تیاری میں صرف کرنے کی فکر ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ○○○

ویلن ٹائن ڈے، اور اسلام

14 رفروری کو یوروپی ممالک میں ایک رسم منائی جاتی ہے۔، جو بے حیائی، فحاشی اور برائی پر مشتمل ہے۔ جس کو ویلن ٹائن ڈے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس بے حیا رسم کے اثرات مسلم معاشرے میں بھی سرایت کرتے جا رہے ہیں۔

اس رسم کے بارے میں مختلف روایات مشہور ہیں، مگر کوئی بھی روایت مستند اور معتبر نہیں ہے۔ یہاں صرف دو روایتوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

پہلی روایت: روم کے قدیم بت پرست مشرکین 15 رفروری کو ایک جشن مناتے تھے جو Feast of the wolf یا Feas of Lupetcaoius کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ جشن وہ اپنے دیوی دیوتاؤں کے اعزاز میں انھیں خوش کرنے کے لیے مناتے تھے۔ ان دیوی دیوتاؤں میں Pan (فطرت کا دیوتا) Februata Jano (عورتوں اور شادی کی دیوی) Pastoral gol Lupercalius (رومی دیوتا جس کے کئی دیویوں کے ساتھ عشق ومحبت کے تعلقات تھے) شامل ہیں۔ اس موقع پر ایک برتن میں تمام نوجوان لڑکیوں کے نام لکھ کر ڈالے جاتے تھے، جس میں سے تمام لڑکے باری باری ایک پرچی اٹھاتے اور اس طرح قرعہ اندازی کے ذریعے منتخب ہونے والی لڑکی اس لڑکے کی ایک دن، ایک سال یا تمام عمر کی ساتھی (Sexual Conpanion) قرار پاتی۔ یہ دونوں محبت کے اظہار کے طور پر آپس میں تحفے تحائف کا تبادلہ کرتے اور بعض اوقات شادی بھی کر لیتے تھے''۔ (ویلن ٹائن ڈے: 38)

دوسری روایت: جب روم میں عیسائیت منظر عام پر آئی تو عیسائیوں نے اس جشن کو اپنے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لیے 14 رفروری کی تاریخ کا انتخاب کیا گیا، جس دن رومیوں نے ایک عیسائی پادری ''ویلنٹائن'' کو سزائے موت دی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ رومی بادشاہ Claudius-|| کے عہد میں روم کی سرزمین مسلسل کشت وخون کی وجہ سے جنگوں کا مرکز بنی رہی، اور

حال یہ ہوگیا کہ ایک وقت میں Claudius کو اپنی فوج کے لیے مردوں کی تعداد بہت کم نظر آئی، جس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ روم کے نوجوان اپنی بیویوں کو چھوڑ کر پردیس لڑنے کے لیے جانا پسند نہیں کرتے تھے۔ بادشاہ نے اس کا حل یہ نکالا کہ ایک خاص عرصے کے لیے شادیوں پر پابندی عائد کردی تاکہ نوجوانوں کو فوج میں آنے کے لیے آمادہ کیا جائے۔ اس موقع پر ایک پادری ''سینٹ ویلنٹائن'' نے خفیہ طور پر نوجوانوں کی شادی کروانے کا اہتمام کیا۔ جب یہ راز فاش ہوا تو بادشاہ کے حکم پر سینٹ ویلنٹائن کو گرفتار کر کے جیل میں ڈال کر سزائے موت کا حکم سنادیا گیا۔ جیل میں پادری جیلر کی بیٹی کو دل دے بیٹھا جو روزانہ اس سے ملنے آیا کرتی تھی۔ لیکن یہ ایک راز تھا کیوں کہ عیسائی قوانین کے مطابق پادریوں اور راہبوں کے لیے شادی یا محبت کرنا ممنوع تھا۔ اس کے باوجود عیسائی ویلنٹائن کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، کیوں کہ جب رومی بادشاہ نے اسے پیش کش کی کہ اگر وہ عیسائیت کو چھوڑ کر رومی خداؤں کی عبادت کرے تو اسے معاف کردیا جائے گا۔ بادشاہ اسے اپنی قریب کرے گا اور اپنی بیٹی سے اس کی شادی بھی کردے گا، لیکن اس نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انکار کردیا، جس کے نتیجہ میں اسے رومی جشن سے ایک دن قبل 14/فروری 270ء کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ مرنے سے پہلے اس نے جیلر کی بیٹی کو ایک خط لکھا جس کا خاتمہ From Your Valentaine کے الفاظ پر کیا۔

بہت سے ویلنٹائن کارڈز پر لکھے جانے والے Greetings کے الفاظ From Your Valentaine اسی واقعے کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہیں۔ (ویلنٹائن ڈے: 40.39)

یہ تہوار پہلے صرف یوروپی ممالک میں منایا جاتا تھا، رفتہ رفتہ یہ ساری دنیا میں پھیل گیا، خصوصا میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی ترقی کے بعد مشرقی اور مسلم ممالک میں بھی یہ رسم بڑی تیزی کے ساتھ پھیل گئی۔ اب نہ صرف یوروپی ممالک میں بل کہ پوری دنیا میں بڑے زوروشور کے ساتھ یہ رسم منائی جاتی ہے۔ ویلن ٹائن ڈے کا مطلب ہے ''یوم عاشقاں'' یا ''یومِ محبت''۔ یعنی ایک دوسرے سے محبت کے اظہار کا دن۔ اس دن محبت کے اظہار کے لیے مختلف طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ اس تہوار میں کنواری

لڑکیاں محبت کے خطوط لکھ کر ایک بڑے گلدان میں ڈالتی ہیں، اس کے بعد نوجوان لڑکے ان میں سے کسی خط کو اپنے لیے منتخب کرتے ہیں، ان میں جس لڑکی کا نام نکلتا، اس لڑکی اور لڑکے کے درمیان تعلقات قائم ہو جاتے ہیں۔ پھر وہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں شادی سے پہلے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے ملاقاتیں کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو پھول اور تحفے تحائف پیش کرتے ہیں۔ اور بہت سے بے ہودہ اور ناجائز کام کیے جاتے ہیں۔

ویلن ٹائن ڈے کا آغاز ۷رفروری سے ہی ہوتا ہے۔ جس کی نشان دہی کے لیے ہر دن کو ایک بے ہودہ نام دیا گیا ہے۔ ۷رفروری کو روز ڈے، ۸رفروری کو پر پوز ڈے، ۹رفروری کو چاکلیٹ ڈے، ۱۰رفروری کو ٹی ڈے، ۱۱رفروری کو پرومیس ڈے، ۱۲رفروری کو ہگ ڈے، ۱۳رفروری کو کِس ڈے اور ۱۴رفروری کو ویلن ٹائن ڈے۔

مسلم معاشرے میں اس بے ہودہ رسم کو اس قدر فروغ دیا گیا کہ اچھے پڑھے لکھے اور دین دار لوگ بھی اس رسم کو منانے پر فخر محسوس کر رہے ہیں۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں اس کا جائزہ لینا چاہیے، کیوں کہ بعض مسلم نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دین سے دوری اور اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی بنا پر اس کو مناتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تہذیب وترقی کی علامت ہے۔ اگر ہم اس تہوار کو نہ منائیں تو ہمارا شمار تہذیب یافتہ اور ماڈرن لوگوں میں نہیں ہوگا۔

اسلام ایک مکمل دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی زندگی ہی میں دین کی تکمیل کا اعلان کر دیا تھا، سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ (المائد:3) ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا''۔

یہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے۔ اس دین نے زندگی کے تمام شعبوں میں انسانوں کی رہ نمائی فرمائی ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اسی دین کو اپنائیں اور اسی کے مطابق زندگی گزاریں۔ اب اللہ کے نزدیک اس کے سوا کوئی اور دین اور کوئی اور طریقۂ زندگی قابلِ قبول نہیں۔ فرمایا گیا: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ۔ (آل عمران:85) ''اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین

چاہے گا تو اس کی طرف سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں گھاٹا پانے والوں میں سے ہوگا''۔

اس رسم میں بہت سی ایسی خرابیاں ہیں، جن سے ایک مسلمان کا عقیدہ تباہ ہوتا ہے اور اس کی دنیا اور آخرت دونوں برباد ہوتے ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔تشبہ: یہ رومیوں اور عیسائیوں کی رسم ہے۔ اسلام ہمیں دوسروں کی تہذیب اپنانے اور ان کی مشابہت اختیار کرنے سے روکتا ہے۔ یہاں تک کہ خوشی اور مسرت کے موقع پر بھی غیروں کی مشابہت کی اجازت نہیں دیتا۔ رسول اکرم ﷺ ہجرت کر کے جب مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ انصار سال میں دو مرتبہ اظہارِ خوشی کے طور پر عید مناتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا:''ہم زمانۂ جاہلیت سے ان دودنوں میں خوشی مناتے آرہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ قَدْ أَبْدَلَکُمْ بِھِمَا خَیْرًا مِّنْھُمَا یَوْمُ الْأَضْحیٰ وَیَوْمُ الْفِطْرِ۔(ابوداؤد: باب صلاۃ العیدین)''اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان سے بہتر دو دن عطا کیے ہیں، وہ ہیں عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن''۔

جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے، اس کا شمار قیامت کے دن اسی میں ہوگا۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ۔(الجامع الصغیر:8574)''جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، اس کا شمار اسی میں ہوگا''۔

۲۔ یہ بے حیائی کی رسم ہے۔ اس رسم کو منانے والے نوجوان شرم وحیا کے وصف کو بالائے طاق رکھ کر پوری بے شرمی اور بے حیائی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

یہ حقیقت میں ایک شیطانی حربہ ہے، شیطان چاہتا ہے کہ انسان کو بے حیائی اور فحاشی میں مبتلا کرے۔ سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّمَا یَأْمُرُکُمْ بِالسُّوْءِ وَالْفَحْشَاءِ۔ (البقرۃ:169)''وہ تمھیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے''۔

دین میں شرم وحیا کی بڑی تاکید آئی ہے۔ شرم وحیا اسلام کا امتیازی وصف ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ اَلْحَیَاءُ۔(صحیح الجامع الصغیر:2149)''ہر دین

کی ایک نمایاں خوبی ہوتی ہے۔اسلام کی امتیازی خوبی شرم وحیا ہے''۔

اسلام نے شرم وحیا کو شجرۂ ایمان کی ایک شاخ قراردے کراس کی اہمیت کو واضح کیا۔آپ ﷺ کاارشادہے:اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً ،أَفْضَلُهَا قَوْلُ لَااِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَأَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْأَذیٰ عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ ۔(مسلم:باب شعب الإيمان :162)''ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں۔ان میں سب سے افضل ''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' کااقرار کرناہےاور سب سے نچلی شاخ راستے سے گندگی کودور کرنا ہے۔اورشرم وحیا بھی ایمان کی ایک شاخ ہے''۔

شرم وحیاسےانسان کےاخلاق میں حسن پیدا ہوتا ہے۔رسول اکرم ﷺ کاارشادہے:مَا كَانَ الْحَيَاءُ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا زَانَهُ ۔(صحیح الأدب المفرد:باب الحياء:601)''جس چیز میں بھی شرم وحیاپائی جائے،وہ اس کوزینت بخشتی ہے''۔

بے حیائی برائیوں پرآمادہ کرتی ہے تو شرم وحیاانسان کوبرائیوں اور بدکاریوں سے روکتی ہے۔اگرانسان کی زندگی اس وصف سے خالی ہوجائےتو پھراسے گناہوں سےکوئی چیز روک نہیں سکتی۔وہ ہر برائی کے لیے جری ہوجاتا ہے، بلکہ بےحیائی کی وجہ سے گناہ کوگناہ سمجھنے کامادہ بھی اس کے دل سے ختم ہوجاتا ہے،اسی لیےرسول اکرم ﷺ نےفرمایا:اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ ۔(بخاری:باب اِذالم تستح فاصنع ماشئت:6120)''اگرتمھارےاندرشرم وحیانہ ہوتو پھر جو چاہو کرو''۔

اس موقع پراظہارِمحبت کے نام پر بے حیائی کو پھیلایاجاتا ہے اوراظہارِمحبت کے لیے دن مناکرلوگوں کوبےحیائی کی دعوت دی جاتی ہے۔یقیناً بےحیائی پھیلانا بےحیائی کرنے سےزیادہ سنگین جرم ہے۔ایساشخص دنیا اورآخرت دونوں میں عذابِ الٰہی کا مستحق ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نےفرمایا:إِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ أَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔(النور:19)''جولوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کےدرمیان بدکاری کورواج دیں،ان کے لیےدنیاوآخرت میں دردناک عذاب ہے''۔

۳۔یہ زنااوربدکاری کودعوت دینے والی رسم ہے۔محبت کے نام پرشادی سے پہلے ہی نوجوان

لڑکے اورلڑکیوں کے درمیان جنسی تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔زنا ان کبیرہ گناہوں میں سے ہے جن پر شریعت میں سخت سزا مقرر ہے۔غیر شادی شدہ اگر زنا کرے تو اسے سارے لوگوں کی موجودگی میں اسیّ کوڑے لگائے جائیں گے اوراگر شادی شدہ مرد یاعورت زنا کرے تو اس کوسارے لوگوں کی موجودگی میں سنگ سار کیا جائے گا۔غور کریں اظہارِ محبت کے نام پراس موقع پر ناجائز تعلقات کوفروغ دیا جاتا ہے،اوریہی ناجائز تعلقات زنااور بدکاری کا سبب بنتی ہیں۔

ابتدائے اسلام میں آپ ﷺ اسلام قبول کرنے والوں سے جن باتوں پرعہد لیتے ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وہ زنانہیں کریں گے۔(ممتحنہ :12)

اسلام نے نہ صرف زنا سے روکا ہے بل کہ اس پرآمادہ کرنے والے تمام اسباب کا سدِ باب کیا۔

✦ ۔بدنگاہی سے روکا گیا، کیوں کہ یہ بدکاری اور بے حیائی کا پہلا دروازہ ہے۔اسلام نے نگاہ نیچی رکھنے اورنظر کی حفاظت کرنے کا حکم دیا۔سورۂ نور میں ارشاد ہے:قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ أَزْكىٰ لَهُمْ ۔(النور:30)''آپ ایمان والوں سے کہہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اوراپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں،ایسا کرنا ان کے لیے زیادہ بہتر ہے''۔

✦ زنا اور بدکاری میں جسم کے تمام اعضاء معاون ہوتے ہیں،اس لیے انھیں بھی بدکاری سے بچانے کا حکم دیا گیا۔رسول اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ عَلىٰ ابْنِ آدَمَ حَظَّهُ مِنَ الزِّنَا ،أَدْرَكَ ذٰلِكَ لَامَحَالَةَ ۔فَزِنَا الْعَيْنِ النَّظْرُ ،وَزِنَا اللِّسَانِ الْمَنْطِقُ وَالنَّفْسُ تَمَنّٰى وَتَشْتَهِيْ وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْيُكَذِّبُهُ ۔(الجامع الصغیر)''اللّٰہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لیے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے،جواسے لاحق ہوکر رہے گا۔آنکھ کا زنا دیکھنا ہے،زبان کا زنا بولنا ہے،نفس (برائیوں کی) تمنااورخواہش کرتا ہے اورشرم گاہ تو بس یا تو اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب''

ایک دوسری روایت میں ہے: وَالْيَدُ تَزْنِيْ وَزِنَاهَا الْبَطْشُ وَالرِّجْلُ تَزْنِيْ وَزِنَاهَا الْمَشْيُ وَالسَّمْعُ يَزْنِيْ وَزِنَاهَا الْإِسْتِمَاعُ ۔(الجامع الصغیر)''ہاتھ بھی زنا کرتا ہے،اس کا زنا پکڑنا ہے،پیرزنا کرتا ہے،اس کا زنا چل کرجانا ہے،کان بھی زنا کرتا ہے،اس کا زنا سننا ہے''۔

✦ اجنبی مرد اور عورت کو تنہائی میں ملاقات کرنے سے روکا کیوں کہ یہ چیز بدکاری کا سبب بنتی ہے۔ترمذی کی روایت ہے،اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: لَایَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا کَانَ ثَالِثُهُمَاالشَّیْطَانُ ۔ ''کوئی کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ ملے،ورنہ ان کا تیسرا شیطان ہوتا ہے''۔ (ترمذی)

✦ اجنبی عورت کو ہاتھ لگانا کتنا سنگین جرم ہے ،اس کا اندازہ اس حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لَأَنْ یُطْعَنَ فِیْ رَأْسِ أَحَدِکُمْ بِمَخِیْطٍ مِّنْ حَدِیْدٍ خَیْرٌ لَّهٗ مِنْ أَنْ یَّمَسَّ امْرَأَةً لَایَحِلُّ لَهٗ ۔تم میں سے کسی کے سر پر لوہے کی سلاخ نشانہ باندھ کر ماری جائے،یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی ایسی عورت کو ہاتھ لگائے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے''۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: وَاللّٰهِ مَامَسَّتْ یَدُ رَسُوْلُ اللّٰهِ یَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَیْرَ أَنَّهٗ یُبَایِعُهُنَّ بِالْکَلَامِ ۔(مسلم) ''اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے مبارک ہاتھ نے کبھی کسی غیر محرم عورت کا ہاتھ نہیں چھوا تھا بل کہ آپ ﷺ زبانی ہی عورتوں سے بیعت لے لیے تھے''۔

✦ اجنبی مرد سے بے جا گفتگو سے اجتناب کی تعلیم دی گئی۔اگر ضروری ہو تو دو شرطوں کے ساتھ اجازت دی گئی۔ایک نرم لہجے میں گفتگو نہ کی جائے بل کہ سخت لہجے میں گفتگو کی جائے۔ (الاحزاب:32) دوسری شرط یہ کہ پردے کی آڑ میں گفتگو کی جائے۔(الاحزاب:53)

✦ عورت کو بلا ضرورت گھر سے نکلنے سے منع کیا گیا۔ضرورت کے تحت چند شرطوں کے ساتھ اجازت دی گئی۔۱۔پردے کے ساتھ نکلیں۔(الاحزاب:59) ۲۔زیب وزینت کا اظہار نہ کریں۔ (النور:31) ۳۔خوش بو لگا کر نہ نکلیں۔جو عورت خوش بو لگا کر گھر سے نکلتی ہے،اس کے لیے سخت وعید آئی ہے۔رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: أَیُّمَا امْرَأَةٍ اسْتَعْطَرَتْ ثُمَّ مَرَّتْ عَلٰی قَوْمٍ لِیَجِدُوْا رِیْحَهَا فَهِیَ زَانِیَةٌ ۔(صحیح الجامع الصغیر:105) ''جو عورت خوش بو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تا کہ وہ اس کی خوش بو محسوس کریں تو وہ زانیہ شمار ہوگی''۔

۴۔اس تہوار کو یوم عاشقاں کہا جاتا ہے۔یعنی محبت کے اظہار تہوار۔اسلام دین محبت ہے۔وہ

مومن ہی نہیں جو اپنے مومن بھائی بہن سے محبت نہ کرے۔وہ ایمان کی حقیقی لذت سے نا آشنا ہوگا،جس کے دل میں محبت نہ ہو۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ثَلَاثٌ مَّنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ أَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَاوَأَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَايُحِبُّهُ إِلَّالِلّٰهِ وَأَنْ يَّكْرَهَ أَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِبَعْدَ أَنْ أَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ ۔ (بخاری:باب حلاوۃ الایمان **16:**) ''تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں یہ جمع ہو جائیں وہ ایمان کی لذت کو پالیتا ہے۔(**1**)اس کے دل میں اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے بڑھ کر ہو۔(**2**)۔وہ کسی (مومن بھائی) سے اللہ ہی کی خاطر محبت کرے۔(**3**)۔جب اللہ نے اسے کفر سے نجات دی ہے تو پھر کفر کی طرف لوٹ جانے کو ویسے ہی ناپسند کرے جیسا آگ میں ڈالے جانے کو ناپسند کرتا ہے''۔

محبت مختلف لوگوں سے مختلف طریقوں سے ہوتی ہے۔اللہ سے محبت،رسول ﷺ سے محبت، مسلمان بھائی سے محبت،اولاد سے محبت،ماں باپ سے محبت،بہن بھائی سے محبت،رشتہ داروں سے محبت،بیوی سے محبت،غرض ہر ایک سے محبت اور اظہارِ محبت کا طریقہ الگ الگ ہے۔

اس دن جو محبت کا اظہار کیا جاتا ہے،وہ جنسی محبت ہے۔یہ محبت بھی اللہ نے انسانوں کی فطرت میں رکھی ہے۔اگر یہ جذبہ نہ ہوتا تو نوعِ انسانی باقی نہیں رہ سکتی۔تاہم اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہم اس فطری خواہش اور جنسی محبت کو ایک صاف ستھرے اور جائز طریقے سے پورا کریں،چناں چہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے درمیان جنسی تعلق کے لیے نکاح کا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔جنسی محبت کا یہی اسلامی طریقہ ہے اور اسی طریقے سے سچی محبت اور حقیقی سکون واطمینان حاصل کیا جاسکتا ہے۔اسی لیے شادی کو قرآن مجید میں الفت ومحبت اور ہم دردی اور غم خواری کا ذریعہ بتایا گیا ہے۔فرمایا گیا: وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۔ (الروم:**21**)''اور اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمھاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں،تاکہ تم ان کے پاس سکون پاؤ،اور تمھارے درمیان محبت ورحمت پیدا کی''۔

شادی سے پہلے اجنبی مرد اور عورت کا آپس میں تعلقات قائم کرنا اور اس کے ذریعے باہم محبت کو پروان چڑھانا جنسی بے راہ روی ہے۔اس غیر فطری طریقے سے جو لوگ محبت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان میں محبت پائیدار نہیں ہوسکتی۔ کتنے ہی جوڑے ایسے ہیں جو اس طرح کی محبت کی بنیاد پر شادی رچائے مگر کچھ ہی ہفتوں، مہینوں یا سالوں کے بعد ان کے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو گیا، ان کی محبت نفرت میں بدل گئی۔آخر نوبت طلاق یا خلع تک پہنچ گئی۔

۵۔اظہارِ محبت کے لیے ایک دن مخصوص کرنا: محبت ایک فطری جذبہ ہے، اس کے اظہار کے لیے وقت یا دن متعین کرنا، یہ محبت کی توہین ہے۔اس موقع پر جس محبت کا اظہار کیا جاتا ہے، وہ میاں بیوی کے درمیان پائی جانے والی جائز محبت نہیں، بل کہ ناجائز محبت ہے، جس کا مقصد چوری چھپے لڑکے لڑکیوں کو ایک دوسرے سے دوستی کے مواقع فراہم کرنا اور انھیں بدکاری پر آمادہ کرنا ہے۔کیا کوئی غیرت منداس بات کو گوارا کرسکتا ہے کہ اس کی بیٹی یا بیٹا یا اہلِ خانہ میں سے کوئی اور کوویلن ٹائن ڈے کے تہوار پر کسی غیر محرم کے ساتھ عشقیہ گفتگو کرے یا کسی بے حیائی کی محفل میں شریک ہو۔اپنے کسی عزیز کو اس طرح بے حیائی کرتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہنے والے کو اسلامی شریعت میں دیوث کہا گیا ہے۔ایسا آدمی جنتی نہیں ہوسکتا۔حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ثَلَاثَةٌ قَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ مُدْمِنُ الْخَمَرِ وَالْعَاقُّ وَالدَّيُّوْثُ الَّذِيْ يُقِرُّ فِيْ أَهْلِهِ الْخُبُثَ۔(صحیح الجامع الصغیر: 3047)''تین آدمیوں پر اللہ نے جنت حرام کردی ہے ہمیشہ شراب نوشی کرنے والا، ماں باپ کا نافرمان ، اور بے غیرت جو اپنے گھر میں بے حیائی دیکھ کر برداشت کرجاتا ہے''۔

نقصانات: اس تہوار نے محبت کا تقدس پامال کیا۔عمر کی کوئی قید ہی نہیں رہی۔دس ، بارہ سال کے بچوں میں بھی عشق کے یہ جراثیم پھیلتے جارہے ہیں۔چھوٹے اور بڑے کی تمیز اٹھ گئی۔کہیں دس بارہ سالہ بچہ عمر رسیدہ سے اور کہیں پچاس ساٹھ سالہ بوڑھا کم عمر اور کم سن لڑکی سے اپنا منھ کالا کرتا نظر آتا ہے۔۔کہیں طالب استانی سے عشق لڑا رہا ہے تو کہیں استاذ طالبہ سے۔اسکول اور کالج

کارخ کرنے کی بجائے نوجوان لڑکے اورلڑکیاں پارک کارخ کرتی ہیں ،وہاں پیار ومحبت اورجنسی آوارگی میں اپنا سارادن ضائع کرتے ہیں۔جس عمر میں بچوں میں تعلیم کا شوق ہونا تھا،اب ان میں جنسی میلانات اوررجحانات پائے جانے لگے ہیں۔اسکول اورکالجس میں پڑھنے والے طلبہ اورطالبات کی توجہ تعلیم سے زیادہ گرلز فرائینڈ اور بوائز فرائینڈ بنانے پرلگی ہوی ہے۔مستقبل کو بنانے اورسنوارنے کی انھیں کوئی فکرنہیں،بل کہ عشق کی چکر میں وہ اپنا مستقبل برباد کررہے ہیں۔کچھ لوگ کاروباراوردھندے چھوڑکرعشق کے ناکام پھندے میں پھنسے ہوے ہیں،اوراپنی کمائی کا اکثر حصہ اسی میں بربادکررہے ہیں۔کتنے ایسے نوجوان ہیں جوشادی سے پہلے غلط تعلقات قائم کرلیتے ہیں۔پھر ماں باپ کی اوررشتہ داروں کی ناراضی کی پروا کیے بغیر اپنے من پسند جوڑوں سے شادی کرلیتے ہیں۔ بعض منچلے ایسے بھی ہیں جو دین ومذہب کی پروا کیے بغیر کافرومشرک اور ہندولڑکیوں سے ناجائز تعلقات قائم کرتے ہیں اوران سے راہ ورسم برقرار رکھنے کے لیے اپنے سماج سے کٹ جانا گوارا کرلیتے ہیں ، یہاں تک بعض اپنے دین اورایمان کا سودا کرتے ہوے اس محبت کی خاطر ارتداد کی روش اختیار کرلیتے ہیں۔غرض اس کے نقصانات بےشمار ہیں۔

علاج: اس بے حیائی وبےشرمی کے بڑھتے ہوے سیلاب کے آگے بند باندھنا دوچار لوگوں کا کام نہیں ۔بل کہ مسلم معاشرے کے ہرفرد کو چاہیے کہ وہ اس کے تدارک کے لیے سنجیدہ کوشش کرے۔سب سے اہم بات یہ ہے کہ نوجوانوں کے دلوں میں اسلامی تہذیب سے محبت پیدا کی جائے اوراسلامی تعلیمات پرعمل کی شوق دلایا جائے اورغیراسلامی تہذیب کے نقصانات واضح کرتے ہوے اس سے اجتناب کی تعلیم دی جائے۔

موجودہ دور میں بےحیائی کا ایک اہم سبب اختلاطِ مردوزن ہے۔مغربی تہذیب کی وجہ سے آج ہرجگہ مردوزن کا اختلاط پایا جاتا ہے۔بازاروں اور پارکوں میں،خوشی اورغم کی تقریبات میں،اسکولس اورکالجز میں، یہاں تک کہ عبادت گاہوں میں بھی اختلاط پایا جاتا ہے ۔اسلام نے ہرجگہ عورتوں اورمردوں کی نشستیں الگ رکھنے کا حکم دیا۔مسجد میں اگلی صفیں مردوں کے لیے اورعورتوں کے لیے پچھلی

صفیں متعین کیں۔نماز کے بعد مردوں کوحکم دیا کہ وہ مسجد میں بیٹھے رہیں اور عورتوں کے نکلنے کے بعد ہی مسجد سے نکلیں۔عورتوں کے لیے ایک الگ دروازہ مخصوص تھا،جس سے وہ مسجد میں داخل ہوتیں اور نکلتیں۔

بے حیائی اور بے راہ روی کا ایک اہم سبب اللہ کی یاد اور محبت سے غفلت ہے۔امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں:''شکل وصورت کا عشق انھی دلوں میں جاگزیں ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہوتے ہیں اور وہ اللہ سے اعراض کرتے ہوئے ادھر اُدھر منھ مارتے پھرتے ہیں''۔اگر مومن بندہ اللہ کی محبت سے آشنا ہو جائے تو کبھی بھی بے راہ روی کا شکار نہیں ہوسکتا۔امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:اس (عشق نامی) بیماری کا سب سے بڑا سبب دل کا اللہ تعالیٰ سے غافل ہونا ہے،کیوں کہ دل جب اللہ کی عبادت کا مزہ چکھ لے تو اسے کوئی چیز اس سے بڑھ کر لذت بخش محسوس نہیں ہوتی۔(العبودیۃ لابن تیمیۃ:42)

نفسانی عشق درحقیقت دل کی بیماری ہے جسے اللہ تعالیٰ کی خالص محبت ہی سے دور کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی پابندی اور ہمہ وقت اس کی یاد اس بیماری کے خاتمے کا موثر ذریعہ ہے۔ جب کوئی دل اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی ملاقات کے شوق سے بھر جاتا ہے تو اسے کسی صورت کے عشق کی بیماری نہیں لگتی۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کے بارے میں فرمایا:كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَاءَ۔اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ۔(یوسف:12)

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین